مثنوی

مادرِ ہند

از

شاد عظیم آبادی

۱۵۱۴ف
CHECKED 1956
حقوق تصنیف بحق شاد بکڈپو جو عظیم آبادی پٹنہ سیٹی محفوظ
بسلسلہ مطبوعات
شاد بکڈپو پٹنہ سیٹی
سنہ ۱۹۲۱ء
Checked 19
شمارہ
۳

معذرت

علمی مشاغل، امتحانات کی اُدھیڑ بن، کاپیوں اور پروفوں کی دیکھ بھال، مقدموں کے آنے کا اضطراب انگیز انتظار تاہم ارباب وطن اور قدردانان سخن سے مثنوی مادرِ ہند کی غیر متوقع تاخیر اشاعت کا بصد ندامت عذر خواہ ہوں۔ اس تعویق کی وجہ سے قطعات تاریخ کے سنون میں بھی اختلاف ہو گیا اور شائقین کو بھی کافی زحمتِ انتظار اُٹھانی پڑی جس کا مجھکو بیحد افسوس ہے۔ بہرحال مجھے امید ہے کہ میری مجبوریوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اربابِ شوق میری معذرت قبول فرمائینگے۔

سب سے زیادہ قابل افسوس اور باعث ندامت یہ امر ہے کہ مثنوی مادر ہند حسب خواہ نہ چھپ سکی اور طباعت کا بدنما داغ اس کے دامن پر رہ گیا۔

میں اُن تمام شعرائے کرام کا تہ دل سے شکر گزار ہوں، جنھوں نے میری استدعا پر سال طباعت کے قطعات نظم فرما کر مجھے عطا فرمائے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ میں بصد ادب و نیاز اپنے دلی تشکر و امتنان کا ہدیہ اُستادِ عصر حضرت **سیماب** اکبرآبادی

اور پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی صدر صیغۂ اردو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ
کی خدمتوں میں پیش کرتا ہوں جنھوں نے باوجود اپنے کثیر مشاغل کے
میری ناچیز گزارش کو شرف قبولیت عطا فرماکر اس مثنوی پر ایسے
فاضلانہ مقدمے تحریر فرمائے جن سے کتاب کی خصوصیات
سرسری نگاہوں کے لئے بھی اُجاگر ہو گئیں۔

اس موقع پر میں اپنے محترم اور مخلص دوست جناب حمید صاحب
عظیم آبادی کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے عرض حال
لکھ کر اس مخصوص مثنوی پر کافی روشنی ڈالی اور بہت سی ایسی باتوں سے
مطلع فرمایا جن سے بہت ہی کم لوگ واقف ہوں گے۔ آپ کی ذات گرامی
اس دور میں مغتنم اور شاد کے شاگردوں میں ایک خاص امتیازی
حیثیت رکھتی ہے۔ ایسے ذی علم اور سنجیدہ کہنے والے اب کم نظر
آتے ہیں۔ شاد کے بعد ایسی جامعیت کا کوئی دوسرا اہل سخن دکھائی
نہیں دیتا۔ نظم کا سبزہ زار ہو یا نثر کا چٹیل میدان، آپ کا شبدیز
قلم یکساں سرگرم تگاپو نظر آتا ہے۔ عظیم آباد کی بہت کچھ ادبی اُمیدیں
آپ سے وابستہ ہیں، خداوند کریم شاد کے گلزار سخن کے اس شگفتہ
پھول کو ہمیشہ شاداب و روشناس بہار رکھے اور ہمیشہ شاد و خرم آمین

خاکسار سید ظہیر احمد شمسی۔ عظیم آبادی۔

۷۸۶

عرضِ حال

زباں بندی کرے گا تو کہاں تک ناصحِ مشفق

کہے گی خود مری آشفتہ حالی داستاں میری

نہ یہ کوئی مستقل مقدمہ ہے اور نہ کوئی تبصرہ بلکہ **مثنوی مادرِ ہند** کے متعلق چند ضروری گزارشیں ہیں اور غیر قابل فروگزاشت باتیں۔ قبل ازیں کہ میں مثنوی مذکور کے متعلق کچھ عرض کروں، صنفِ مثنوی پر اجمالاً اور اختصاراً ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں کہ سلسلۂ کلام کی کڑیاں مسلسل اور مربوط ہو جائیں +

اصناف شاعری میں یہ صنف (مثنوی) سب سے زیادہ مفید، وسیع، ہمہ گیر اور جمیعِ انواعِ شاعری پر حاوی ہے۔ جذبات انسانی، مناظر قدرت، واقعہ نگاری، فلسفہ، تصوف، اخلاق، رفعت تخیل سب کا جلوہ ایک مثنوی ہی میں نظر آجاتا ہے اس میں ہر طرح کے داخلی اور خارجی مضامین کی گنجایش ہے۔ یہی وہ صنف شاعری ہے جس میں شاعر حسب مراد اپنا کمال دکھا سکتا ہے، اسی لیے ہر زبان کے باکمال شعرا نے اس صنف کو نوازا اور اسی کو اپنے اپنے کمال کی جلوہ نمائیوں کا

آئینہ بنایا۔ ہومر، ورجل، ملٹن، فردوسی، بالمیکی اور بیاس کے نام آج اسی صنف کی بدولت دنیا میں باقی اور روشن ہیں، لیکن اردو کے شاعروں نے اس طرف بہت کم توجہ فرمائی۔ میر حسن مغفور نے اردو کے دامن سے اس داغ کے مٹانے کی یک گونہ کوشش کی اور بے شک ایک حد تک اُن کو کامیابی بھی ہوئی، تاہم میر حسن کی وہ مثنوی مذکورہ بالا مصنفین کی مثنویوں کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ بہرکیف! مضامین کے اعتبار سے اگر مثنویوں کی تقسیم کی جائے تو تمام مثنویاں اقسام ذیل کے تحت میں آسکتی ہیں:۔

(۱) رزمیہ یا تاریخی جیسے شاہنامہ۔ (۲) عشقیہ جیسے یوسف زلیخا۔ (۳) اخلاقی جیسے بوستاں۔ (۴) قصہ و افسانہ جیسے ہفت پیکر و ہشت بہشت (۵) تصوف و فلسفہ جیسے مثنوی مولانا روم و جام جم اوحدی۔

مثنوی کا معیار کمال

(۱) حسن ترتیب:۔ واقعات کی مستحسن و معقول ترتیب اور بیانات کی مسلسل و مربوط ترکیب۔

(۲) کیرکٹر:۔ مثنوی میں جو شخصیتیں پیش کی جائیں اُن کی امتیازی

خصوصیتیں بھی مدنظر رکھی جائیں۔

(۳) کیرکٹر کا اتحاد:۔ جس شخص کا جو کیرکٹر قائم کیا جائے اُس کی استقامت اور مداومت کا پابندی کے ساتھ لحاظ رکھا جائے۔

(۴) واقعہ نگاری:۔ مشکوک اور ناممکن الوقوع واقعات بیان نہ کئے جائیں۔ واقعات کی صحیح اور اصلی تصویر اس طرح لفظوں میں اُتاری جائے کہ بیان سے تعلق رکھنے والے مختصر واقعات بھی نظر انداز نہ کئے جائیں۔

مثنوی مادرِ ہند

اس وقت نہ میری یہ غرض اور نہ میرا فرض کہ میں مذکورہ بالا معیار پر مثنوی مادرِ ہند کو جانچوں لیکن اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ مذکورہ بالا اقسام کے تحت میں یہ مثنوی نہیں آتی۔ یہ اپنے طرز کی پہلی مثنوی ہے اور آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے کی تصنیف۔ یہ مثنوی ملکۂ وکٹوریہ آنجہانی کی پہلی جوبلی کے موقع پر لکھی گئی تھی اور اُس وقت یہ نویدِ ہند کے خوش کن لقب سے ملقب تھی۔ (یہی وجہ ہے کہ میرے محترم بزرگ اور کرم اُستاد بھائی حضرت امداد مدظلہ نے اپنے فارسی کے قطعہ میں

ــــ نوید ہند از تصنیف خاں بہادر شادؔ" سے طباعت کا سال نکالا ہے۔)

اُس وقت کی ذہنیتیں آج سے جداگانہ اور خیالات ملکی انقلابات کی تفہیم سے یک گونہ ناآشنا تھے۔ اُس وقت شاعر نے ملکی ضرورتوں اور زمانے کی روش کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مثنوی تصنیف کی **مادرِ ہند نے اقسامِ مثنوی میں ایک سیاسی مثنوی کا اضافہ کیا**۔ چنانچہ جناب سریرؔ کابری گیاوی نے اپنے قطعہ تاریخ میں صحیح تحریر فرمایا ہے۔ ــــ انداز سخن ہے کیا انوکھا

اردو میں ہوا اک نیا اضافا

بے شک اس طرز کے موجد شادؔ تھے اور اولیت کا سہرا یقینی اُن کے سر رہا جس دور میں یہ مثنوی لکھی گئی تھی واقعی قوم کے لئے مفید تھی لیکن اُس وقت شائع نہ ہو سکی اور مصنف کی دیگر تصنیفوں کی طرح یہ بھی غیر مطبوع رہ گئی۔ **۱۹۰۸ء** میں بعض حضرات کا خیال ہوا کہ یہ مثنوی شائع کی جائے! اسی غرض خاص سے حضرت شادؔ مرحوم نے اس مثنوی پر نظر ثانی کی اور نوید ہند کی جگہ **اس کا نام مادرِ ہند** رکھا لیکن اُس وقت بھی اس کی اشاعت ملتوی رہ گئی زمانہ گزرا اور ملکی خیالات میں انقلابی تغیرات رونما ہوئے یہ دور ابھی ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ شادؔ مرحوم کی عمر حد طبعی سے تجاوز کر گئی

اور ضعف و انحطاط کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ آپ نے اپنی تصنیفوں پر نظر ثانی کا عزم فرمایا چنانچہ اُسی سلسلہ میں اس مثنوی پر تیسری دفعہ نظر کی گئی اور اشعار میں پھر ترمیم و تنسیخ ہوئی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اسی زمانہ میں اس شعر کا بھی اضافہ ہوا۔ دُھن میں تری ای کمال ہم نے + کاٹے ہیں ساٹھ سال ہم نے + اس شعر سے ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ مثنوی اُس وقت کی تصنیف ہے جب شاؔد کی شاعری اپنی عمر کا ساٹھواں سال طے کر رہی تھی یا کر چکی تھی۔ چنانچہ جب مثنوی چشمۂ کوثر مطبع صبح صادق واقع شہر عظیم آباد میں طبع ہو کر ۱۳۰۰ سنہ ہجری میں منصۂ شہود پر آئی تو شاد مرحوم کی تصنیفوں کی فہرست میں مثنوی نوید ہند کا ذکر بھی موجود ہے (مثنوی چشمۂ کوثر کا ٹائیٹل پیج ملاحظہ ہو) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مثنوی سنہ ۱۳۰۰ ہجری کے قبل تصنیف ہو چکی تھی +

محترمی حضرت سیماب مدظلہ العالی و حضرت رشید احمد صاحب صدیقی کے گراں قدر مقدموں کے بعد اس ہیچمیرز کا مادر ہند کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے "سورج کو چراغ ہی دکھانا" + لیکن حقیقتِ حال سے ارباب وطن کو مطلع کر دینا میرا فرض تھا۔ شاؔد کی یہ مثنوی اگر اتنے دنوں تک نہ چھپ سکی تو چنداں تعجب کی بات نہیں۔ مثنوی تو مثنوی شاؔد کا وہ دیوان جس کی بدولت

آج شاد، شاد ہیں، اب تک شائع نہ ہو سکا۔ غزلوں کا ایک مجموعہ اور وہ بھی نامکمل "کلام شاد" کے نام سے کچھ عرصہ ہوا کہ شائع ہوا تھا لیکن اُس سے نہ خود شاد مرحوم راضی تھے اور نہ میں اُسے شاد کی غزل سرائی کا مکمل نمونہ سمجھتا ہوں۔ شاد کو چھوڑیئے۔ یہاں کے اور اگلے باکمالوں کو لیجئے تو اُن کے ساتھ اس سے بھی زیادہ بے پروائی برتی گئی اور ہنوز برتی جا رہی ہے۔ کیا یہاں کی ادبی انجمنوں کا یہ فرض نہیں کہ وہ راسخ مرحوم سے باکمال کے کلام کی اشاعت کریں۔ راسخ بھی وہ راسخ جس کے متعلق مصنف آب حیات صفحہ ۱۷۴ میں تحریر فرماتے ہیں۔

" راسخ عظیم آبادی کا دیوان میں نے دیکھا ہے۔ بہت سنجیدہ کلام ہے۔ پرانے مشاق تھے اور سب اُدھر کے لوگ اُنھیں اُستاد مانتے تھے۔ مرزا کے پاس شاگرد ہونے کو آئے۔ مرزا نے کہا کوئی شعر سنائیے۔ اُنھوں نے پڑھا۔

ہوئے ہیں ہم ضعیف اب دیدنی رونا ہمارا ہے

پلک پر اپنی آنسو صبح پیری کا ستارا ہے

مرزا نے اُٹھ کر گلے لگا لیا"۔ لیکن مصنف آب حیات نے سودا کے تذکرہ میں محض ضمناً یہ نقل درج کر دی ہے۔ تمام کتاب کی فہرست دیکھ جائے راسخ عظیم آباد کا کہیں نام تک نہیں۔

شاد مرحوم نے ان کو میر تقی میر کا شاگرد لکھا ہے۔ جب شیخ غلام علی

راسخ دلی پہونچے تو میر صاحب کی خدمت میں بہ نظر اصلاح حاضر ہوئے
میر صاحب گوشہ نشیں ہو چکے تھے۔ جب راسخ کو خادم سے یہ معلوم ہوا
تو فی البدیہہ یہ مطلع لکھکر میر صاحب کی خدمت میں بھیجا ؎

خاک ہوں پر توتیا ہوں چشم مہر و ماہ کا
آنکھ والا رتبہ جانے مجھ غبار راہ کا

مطلع پڑھتے ہی باہر چلے آئے۔ اللہ ری قدر شناسی اور کمال پرستی!
بہر صورت راسخ کا کمال ثابت اور مسلم۔

سنہ ۱۹۱۸ء میں راسخ مرحوم کا ایک تذکرہ انگریزی میں شائع ہوا تھا لیکن
وہ بھی اب نوائے وطن (مصنفہ شاد مرحوم) کی طرح کمیاب۔

یہ ارباب وطن کی بے توجہی اور ناقدر شناسی کا نتیجہ ہے کہ میرے محترم
بزرگ حضرت سیماب دام فیضہ کے سے بے تعصب اُستاد اور شاعر نے بھی
جہاں تمام مثنویوں کا تذکرہ کیا ہے راسخ کی مثنویوں کا ذکر نہیں فرمایا۔ اگرچہ
واقعات اُن تک پہونچتے تو وہ ہرگز آزاد مرحوم (مصنف آب حیات)
کی طرح ایسے اُستاد اور باکمال شاعر کو پوربی سمجھ کر نظرانداز نہ فرماتے۔
بے شک یہ ہمارا قصور ہے اور ہم سے زیادہ ہماری ادبی انجمنیں اس کی ذمہ دار
بہرکیف! راسخ مرحوم کے کلیات میں اُن کی غزلیں اور مثنویاں زیادہ تر
قابل توجہ ہیں۔ مثنوی کا ذکر چلا آرہا ہے اس لئے کم از کم مرحوم (راسخ) کی

مثنویوں کے نام ہی گنوا کر تو اُن کی روح سے شرمندہ نہ ہوں کیونکہ یہاں تفصیل کا نہ موقع اور نہ گنجایش۔

راسخ کی مطبوعہ مثنویاں

(۱) حسن و عشق (۲) ناز و نیاز (۳) سبیل نجات۔ (۴) کشش عشق (۵) نیرنگ محبت (۶) جذب عشق (۷) اعجاز عشق (۸) نور الانظار (۹) گنجینۂ حسن (۱۰) مرأۃ الجمال۔ (۱۱) مکتوب شوق (۱۲) شرح حال (۱۳) شہر آشوب (۱۴) مثنوی مدحیہ۔

میں اس سلسلہ میں مولانا ظہیر احسن شوق مرحوم نیموی عظیم آبادی کی مشہور مثنوی "شام سُندر" کا نام بھی لکھے بغیر نہیں رہ سکتا

شاد کی دیگر مثنویاں

(۱) نالۂ شاد۔ ۱۲۸۰ھ ہجری میں یہ مثنوی شائع ہوئی تھی۔ یہ ایک مختصر عشقیہ مثنوی بحر رمل مسدس مخبون میں ہے لیکن اب معدوم

(۲) مثنوی ثمرۂ زندگی۔ یہ مثنوی شاد مرحوم نے اپنے فرزند سید حسین خانصاحب مرحوم کے مکتب کے موقع پر حسب حال لکھی تھی اور طبع بھی ہو چکی ہے۔

۳۔ مثنوی فغانِ دلکش :۔ یہ مثنوی فارسی میں ہے اور غیر مطبوع۔

۴۔ مثنوی چشمۂ کوثر :۔ یہ مثنوی ۱۳ ھ ہجری میں شائع ہوئی تھی۔ یہ دس جزوں کی مثنوی اردو میں بہ طور نان و حلوائے شیخ بہائی اخلاقی نصائح پر مشتمل ہے۔

رات تھوڑی، داستان طویل، اس لیئے میں اس ناچیز عرض حال کو اپنے مخلص دوست مولوی حافظ سید ظہیر احمد صاحب مجروحؔ کے شکریہ پہ ختم کرتا ہوں، جن کے مساعی جمیلہ اور قدر شناسیِ اہل سخن ہر طرح لائق صد ستایش ہے۔ زمانہ طالب العلمی میں وطن کے باکمالوں کی قدردانی کا یہ جذبہ واقعی جس قدر بھی عزت کی نگاہوں سے دیکھا جائے کم ہے۔ اسی سلسلہ میں اتنا اور عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ادیب الملک نواب سید نصیر حسین خاں صاحب خیالؔ مرحوم عظیم آبادی کی وہ عدیم المثال تصنیف جو اُن کی زندگی کا آخری کارنامہ ہے اور اردو نثر میں فردوسی کا شاہنامہ انشاءاللہ بہت جلد شائع ہونے والی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو اردو میں آپ اپنی نظیر ہے۔

مثنوی مادرِ ہند ہدیۂ ناظرین ہے۔ جناب مجروحؔ تو اپنے ادبی فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ اب اربابِ وطن ہیں اور اُن کی قدرشناسی۔

خاکپائے شادؔ
حمید عظیم آبادی

۴۸۹

شادؔ[1] اور خیالؔ[2] میرے نزدیک بہار کے انیسؔ اور آزادؔ ہیں۔
شادؔ کے مراثی اور اس کے متعلقات بلندی اور روانی میں انیسؔ کی سحر کاریوں سے تقابل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسری طرف آزادؔ نے فارسی الفاظ اور ترکیبوں سے اُردو میں جو نیرنگ کاری کی ہے اس کا جواب ابتک اردو ادب میں نہیں ہوا۔ خیالؔ نے ہندو روایات اور ہندو کلاسکس (ادبیات عالیہ) کو اردو میں جس طور پر سمویا اور اُجاگر کیا ہے وہ بھی اپنی نظیر آپ ہے۔ جس پر کسیقدر تفصیل کے ساتھ میں نے کہیں اور بحث کی ہے۔

شادؔ کے کلام میں میرؔ کا رنگ اور انیسؔ کا زور ہے۔ مجھے تعجب اور افسوس ہے کہ ابتک شادؔ کی طرف اتنی توجہ کیوں نہیں کی گئی۔ جس کے وہ مستحق تھے۔ یہ میری اور شادؔ دونوں کی بدنصیبی ہے کہ مجھسے مثنوی مادرِ ہند مصنفہ شادؔ پر اظہار خیال کی فرمائش کی گئی لیکن مصیبت

[1] سید علی محمد شادؔ۔ [2] نواب نصیر حسین خیالؔ۔

یہ تھی کہ یہ فرمایش ایک طالب العلم کی تھی جس کو میں کسی طرح رد نہیں کر سکتا تھا حافظ سید ظہیر احمد صاحب متعلم جامعہ شمس الہدیٰ سے روشناس نہیں ہوں۔ لیکن ان کی طالب علمانہ تلاش و تفحص اور سعی و انہماک کا یقیناً معترف ہوں۔ سطور ذیل کے جواز میں اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے۔

اردو شاعری میں داخلی رنگ کا بہت کچھ عمل دخل رہا ہے اسکو ایک حد تک مشرق کا فطری میلان بھی کہہ سکتے ہیں لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ گو اردو کی ابتدا اگلی کوچوں میں ہوئی اُسکی ترقی و تزئین دربار اور عشرت کدوں میں ہوئی جہاں غزل یا قصیدوں کے علاوہ کسی اور صنف کلام کو پنپنے کا موقع ہی نہ تھا۔ لیکن یہ فخر یقینی دکن کو حاصل ہے کہ وہاں اردو کی بسم اللہ منقبتُ مراثی سے ہوئی اور بجائے اسکے کہ شعرا حکمرانِ وقت یا معشوقانِ مجازی کی مدح سرائی کرتے جیسا کہ لکھنؤ اور دہلی کا حال رہا ہے۔ دکن مین خود حکمرانِ وقت نے نعت و منقبت اور محبوب حقیقی کی ستائیش و نیائیش سے اردو شاعری کا افتتاح کیا۔

غالباً سب سے پہلے ۱۰۲۰ھ ہجری میں قطب شاہ سلطان گولکنڈہ نے ایک نعتیہ مثنوی لکھی اس کے بعد ۱۰۵۹ھ میں کمال خاں رستمی نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کے کارنامے اپنی مثنوی خاور نامہ میں قلمبند کئے۔ رستمی کے بعد عشقیہ مثنویوں کی ابتدا ہوئی جن میں نصرتی اور بحری کا نام خاص طور

پر نیا جا سکتا ہے۔

مشرقی ہند میں میرؔ، دردؔ، میر حسنؔ، نسیمؔ، قلقؔ، مصحفیؔ، راسخؔ تسلیمؔ، اور شوقؔ، کی مثنویاں مشہور ہیں۔ ان میں سے ہر ایک عشق و محبت کی داستانوں سے لبریز ہے اور بقول حالی مرحوم

ہماری مثنویوں کا یہ حال ہے کہ ان میں معمولی حمد و نعت وغیرہ کے بعد اکثر بادشاہ یا امیر زادہ یا سوداگر بچہ کے حسن و جمال کی تعریف ہوتی ہے۔ پھر اُس کو کسی پری یا شاہزادی یا وزیر زادی یا اور کسی کے ساتھ لگا مارا جاتا ہے۔ وہ اول اُسکے فراق میں شہر شہر جنگل جنگل مارا پھرتا ہے، پھر آخر کار وصل سے کامیاب ہوتا ہے۔ یہ کامیابی ایسی ضروری ہے کہ اسکے متعلق، پہلے ہی سے پیشگوئی کی جا سکتی ہے۔

بہار میں جہاں تک شعرائے متقدمین کا تعلق ہے، مثنوی نگاری کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ ملا علیم تحقیقؔ، عمادؔ اور بیدلؔ کے ہاں یہ چیز نہیں ملتی۔ راسخؔ نے البتہ مثنوی کو فروغ دیا جن کے بعد بہار میں اس صنف کلام میں مختلف و متعدد شعرا نے طبع آزمائی کی جن میں شوقؔ نیموی، عبدالجلیل نظرؔ اور فریادؔ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں +

مثنوی کی سب سے پہلی خوبی تو یہ ہونی چاہیئے کہ بیان میں تسلسل ہو وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ ہر بیت ایک دوسرے سے مربوط

اور باہم گرپیوست ہو۔ دوسری یہ کہ حالات اور واقعات فطرت
اور عادت کے مطابق ہوں۔ ان امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے میرا خیال
ہے کہ مثنوی میں خارجی رنگ کے اُبھارنے اور نکھارنے کے کافی مواقع
ملتے رہتے ہیں۔ اور اردو شاعری میں جس چیز کی کمی ہے، مثنوی سے وہ
بہت کچھ پوری کی جاسکتی تھی لیکن یہ ہماری افتاد طبع کہ یہاں پہنچکر
بھی ہم ـــہ

عشیرہ منم دخت افراسیاب ؛

ہی پر تان توڑتے رہے

حالی اور شبلی نے مثنوی سے سب سے پہلے ماجرائے حُسنُ
عشق کو حذف کیا۔ چنانچہ مثنوی صلح امید میں شبلی نے اسلام کی
گزشتہ سربلندی اور موجودہ فتادگی پر اظہار کرتے ہوئے سرسیدتک کی
طرف گریز کی ہے اور اُن کے رفقائے کار اور محسنوں کا تذکرہ کرتے
ہوئے مدرستہ العلوم علی گڈھ کی تاسیسؔ توصیف پر تان توڑ دی ہے۔
شبلی نے شاعرانہ لطف و لطافت کے ساتھ ساتھ جس کے وہ امام تھے
اسلامی رکھ رکھاؤ کا سر رشتہ کہیں ہاتھ سے نہیں دیا ہے۔ ساری مثنوی
میں صرف ایک جگہ لارڈ لٹن کا ذکر آیا ہے اور بجائے اسکے کہ وہ انکی قصیدہ
خوانی کرتے انھیں سے قصیدہ خوانی کرائی ہے اور یہ انکی شرافت شعری

اور بالغ نظری کا ثبوت ہے۔ اگر قصیدہ کا مقصود ممدوح کی نری ستایش اور تملق نہیں بلکہ ممدوح اور اسکے ارادت مندوں کو دوسروں کی نظر میں ممتاز و محبوب بنانا ہو تو یہ طریقہ کار، اثرِ آخریں کے اعتبار سے سب سے کاری ہے۔

حالی نے بھی اپنی بیانیہ نظموں میں ایک خاص اور بلند مقصد پیش نظر رکھا ہے۔ داستان حُسن و عشق سے اجتناب کرنا بلکہ اس سے تائب ہو جانا حالی کے لئے کوئی خاص بات نہ تھی اس لئے یہ عنصر وہاں سرے سے مفقود ہے۔ "حب وطن" میں جس کو میں ایک طور پر مثنوی ہی قرار دیتا ہوں۔ حالی نے مسلمانوں کے ادبار پر اظہار خیال کرتے کرتے ایک جگہ پر برطانیہ کے برکات کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس عہد کی یہ مثنوی ہے اس میں برطانیہ کے ساتھ عقیدت کا اظہار کوئی معیوب بات نہیں سمجھی جاتی تھی اور اس اعتبار سے حالی یا شاد کسی پر حرف گیری کرنا بے جا ہوگا۔ لیکن جیساکہ میں ابھی ابھی کہہ آیا ہوں شبلی کو اس بارہ خاص میں بہت بڑا امتیاز حاصل ہے۔

شاد نے مثنوی مادر ہند میں ماجرائے حُسن و عشق کو آنے ہی نہیں دیا ہے۔ گو اس کے ساتھ ساتھ میرا یہ بھی خیال ہے کہ مثنوی مادر ہند کو تشبیہی و تمثیلی (ایلیگارکل) حیثیت دیکر شاد نے اسکی اثر اندازی کم کردی

مثنوی زیرِ نظر کا لبِ لباب یہ ہے +

ایک زمانہ میں ہندوستان (مادرِ ہند) کو بڑا عروج نصیب تھا، اُسکے دو لاڈلے فرزند رام و رحیم (ہندو اور مسلمان) تھے، مدتوں دونوں شیر و شکر رہے لیکن بعد میں تفرقہ پڑ گیا۔ مادرِ ہند نے بہت کچھ اونچ نیچ سمجھایا لیکن ایک پیش نہ گئی چنانچہ ہندوستان میں ابتری پڑی اور اغیار نے اسکو تاکا یہاں تک کے کچھ نووارد تاجر آئے اور مادرِ ہند کو اختیار میں لائے۔ ماں نے ہنگام رخصت رام و رحیم کو سمجھایا اور اپنے معاون تجار کو نصیحت اور فرزندوں کے ساتھ رعایت کرنے کی سفارش کی۔ بالآخر ۱۸۵۸ء کے فرمانِ شاہنشہی اور ملکہ کی پہلی جوبلی پر یہ ڈراما ختم ہو گیا +

جہاں تک فنِ مثنوی نگاری میں مبصرانہ رنگ یا شاعرانہ صنعت کاری کا تعلق ہے مثنوی مادرِ ہند کی خوبیاں محتاجِ بیان نہیں ہیں۔

ہندوستان کی تعریف :-

عظمت میں کنشت سے فزوں تر — خوبی میں بہشت سے فزوں تر
ہر گوشہ زمیں کا رشکِ گلشن — جس نخل کو دیکھئے وہ چندن
بازار عدن وہاں کے رستے — پانی کے عوض گہر برستے
جس پھول کو سونگھئے وہ خوشبو — جس نخل کو دیکھئے وہ دلجو

باغوں میں پرند ہر طرح کے | جنگل میں چرند ہر طرح کے

مادرِ ہند کے دو لاڈلے فرزند (رام و رحیم)

کہتا تھا یہ دیکھکر زمانہ | دونوں سے ہی گھر نگار خانہ
خورشید سپہر سروری ہی | اورنگ نشین برتری ہی
ازبسکہ دلوں میں تھی صفائی | دستار بدل تھے دونوں بھائی

دونوں فرزندوں میں نفاق پڑگیا ہی، ماں سمجھاتی ہی

سنتی ہوں کہ بھائیوں میں ہی سو | پھیلی ہوئی یہ خبر ہی ہر سو
اپنی ہی خبر تمہیں نہ گھر کی | لٹتی ہی کمائی عمر بھر کی
ماں صدقے، دلوں میں کیا سمائی | کی بھائی نے بھائی سے برائی
تصویر الم ہوں سر سے تا پا | کس درجہ میں کاٹوں گی بڑھاپا
لیجائے گا کسکے گھر مقدر | گذریگی اخیر عمر کیوں کر
آپس میں نہ اب ملال رکھو | مجھ ماں کا تو کچھ خیال رکھو
سچ ہی اسی واسطے ہی اولاد | پھولے پھلے، ماں کا گھر ہو آباد

ہندوستان انگریز تجار کے ہاتھ میں آیا مادر ہند بیٹوں کو سمجھاتی ہے

اک ہوک اُٹھی غضب جگر سے
یوں رو لی کہ جیسے ابر برسے

آہستہ کہا کہ جان مادر
تم چھٹتے ہو، کیا کروں مقدر

ماں صدقے! بس اب گئی امیری
آئی ہو تمہارے گھر فقیری

ڈرتی ہوں کہ تم اگر لڑو گے
کمزور ہو دونوں گر پڑو گے

دنیا میں رواج ہی اسیکا
حصہ نہیں ملک میں کسیکا

ہر چند ہی بخت اپنا بھونڈا
پکا نہیں دھوپ میں یہ چونڈا

جن لوگوں کے ہوتے ہو حوالے
یہ بھی مری گود کے ہیں پالے

رہنا ہو حمایتوں میں جن کی
بسنا ہو حفاظتوں میں جن کی

ہونا تم ان کے طالب خیر
ہو جائے گا قہر، گر پڑا بیر

معادن تجار کو یوں مخاطب کرتی ہی:-

مجبور کو عاطفت میں لانا
معذور جو ہو تو بخش دینا

بیٹے مرے گو ہیں بد لیاقت
آئے گی کبھی تو آدمیت

ان میں ہر ایک جب پڑھے گا
ہر طرح کا تجربہ بڑھے گا

مجھ ماں کو ضرور سمجھیں گے ماں
ہو گا مری خدمتوں کا ارماں

چاہیں اگر اس میں استعانت — لازم ہے تمہیں بہت رعایت

غدر کے بعد مراحم خسروانہ کا اعلان اور اقبال و ترقی کا زمانہ

دی گل کو عجب خبر صبا نے — زر لے کے چلا کھلے خزانے
مٹھی میں چھپا لیا ہے صحرا — کوزے میں کیا ہے بند دریا
کہتا ہوں حیات کم باذنی — ہے بانگ صریر قم باذنی
ہر مرکز کاف سر مکنوں — ہر دائرہ ہے خم فلاطوں
کاواک ہوں کس طرح یہ اشعار — جنتر ہے قلم کو لفظ ہے تار
مٹی کو طلا یہ اب شرف ہے — جو خشت ہے رو کش صدف ہے
کیا فیض شہنشہی ہے ہر سو — جس جس پہ نظر کرو وہ جادو

مادر ہند کا جوبلی میں آنا اور عرض حال کرنا :-

دو لخت جگر جو اب ہیں قائم — یارب یہ رہیں صحیح و سالم
سب زور گھٹا دیا انھوں نے — گھر کھوج مٹا دیا انھوں نے
دونوں میں غضب کی تھی لڑائی — اس جنگ نے گھر کی کی صفائی
خواہش ہے نہ مال کی نہ زر کی — اولاد کی دھن ہے اور گھر کی
جس وقت تھی انکے پاس دولت — حاتم سے زیادہ کی سخاوت

پاتے تھے امیر جسکے گھر سے
روٹی کے لئے وہ آج تر سے
ظاہر کی ہو یہ سفید پوشاک
باطن میں نہیں ہو پاس کچھ خاک
طاقت میں بھی مال و زر میں بھی کم
ہیں علم میں کم ہنر میں بھی کم
حضرت کے وہ منصفانہ احکام
خوش تھے جنھیں سنکے خاص اور عام
ضد کرتے ہیں اب یہی یہ خو تنخو
دلوا اُنھیں جاکے یاد خود تو

شاہنشہی جواب۔

خوش تجھسے نہ کیوں ہوں بادولت
دل کھول کے تونے کی اطاعت
بیٹوں میں ترے ہو گو شرافت
صورت سے ٹپکتی ہو نجابت
دونوں میں مگر دلی نہیں میل
سمجھے ہیں وہ اس نفاق کو کھیل
اب تک وہی بدگمانیاں ہیں
اب تک وہی لن ترانیاں ہیں
جب علم و عمل میں ہوں گے کامل
تب ہوگا نفاق دل سے زائل
پھر کوئی کرے گر ان کی تحقیر
تہذیب خود اسکو دیگی تعذیر
کچھ اور دنوں ابھی سبق لیں
تب مانگ کے مجھسے اپنا حق لیں
پوتا مرا ہوگا زینت تخت
چمکے گا ترا ستارۂ بخت

سوراج عطا کرے گا وہ شاہ
بڑھ جائیگی تری شوکت و جاہ

اس مثنوی میں برطانیہ کے ساتھ اظہار عقیدت کیا گیا ہے، کسی زمانہ میں یہ رنگ مقبول تھا اور کسی نہ کسی حد تک مستحسن بھی، آج یہ چیز نظروں سے گر گئی ہے جس کا میں اظہار کردینا ضروری سمجھتا تھا، لیکن اس پر زور دینا نہیں چاہتا تھا، میرا مقصود شاد کو پیش کرنا ہے، علی محمد کو خدا کو سونپتا ہوں۔ شاعر نے کمال فن کے اعتبار سے کوتاہی نہیں کی ہے، ایسے شخص سے ممکن ہے لغزش ہوئی ہو۔ لیکن جس چیز نے شخص اور شاعر کو بڑی حد تک متوازی کردیا ہے وہ جذبۂ وطن دوستی ہے۔ شاد نے ہندو مسلمانوں کو اچھے رنگ میں پیش کیا ہے۔ ان سے متعلق مادر ہند کی زبان سے جو کلمے ادا کرائے ہیں وہ اپنی اپنی جگہ پر قطعاً موزوں اور فطری ہیں جن سے شاد کی بلند نظری، سیر چشمی اور اخوت کا پتہ چلتا ہے۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے، آج یہ چیز ناپید ہے +

شاد کی نجی زندگی سے میں زیادہ واقف نہیں ہوں۔ کلام سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ابنائے وطن کے شاکی رہے اور کم سے کم جہاں تک شعر و شاعری کا تعلق ہے۔ اس متاع یوسفی کو کنعاں میں وہ فروغ نہیں نصیب ہوا جو مصر میں حاصل ہوا لیکن یہاں

بھی شاعر کی سیرت کا ایک دلکش نقش نمایاں ہے۔ یعنی شاد ابنائے وطن کی شکایت میں شعر و شاعری کی خدمت اور منزلت کو نظر انداز نہیں کرتے۔ مثنوی مادر ہند کے اخیر میں فرماتے ہیں اور کسقدر حزیں لہجہ میں ؎

اے خدمتیان بزم اشعار — اے جوہریان سر بازار
یہ فن شریف شاعری نام — ہوتا ہے بخیر جس کا انجام
جاتا رہا رکھ رکھاؤ اس کا — دنیا سے ہے چل چلاؤ اس کا
سالم ہے خم نہ جام باقی — میخانہ تہی خموش ساقی
چھائی ہوئی حسرتیں ہیں ہر سو — میکش ہیں تمام سر بزانو
سنتا نہیں کوئی جو اپنی فریاد — برسوں کی ریاضتیں ہیں برباد
دُھن میں تری اے کمال ہم نے — کاٹے ہیں ساٹھ سال ہم نے
گو پیر ہوا پہ مونھ نہ موڑا — تجھکو تو جواں بناکے چھوڑا
اس شہر میں رہ کے کی ریاضت — معدوم جہاں تھے اہل ہمت
میں نخل کماں تھا وطن میں — سر سبز ہوا نہ اس چمن میں
غم نے مرا برگ و بار چاٹا — اُٹھتی ہوئی کونپلوں کو کاٹا

دنیا کا بس اب نہ دم بھرو شاد
پیری ہے خدا خدا کرو شاد

بہار کے ارباب شعر وادب سے میری ناچیز گزارش ہے کہ واقعات وحالات جو کچھ بھی ہوں، بہار کے دامن پر یہ بدنما دھبہ ہے کہ ان کا بے مثل شاعر بڑی حد تک کس مپرس ہے۔ کیا بہتر ہوتا کہ حضرات بہار اس کام کو ہاتھ میں لیتے اور صرف بہار سے مستقل چندہ فراہم کرکے شاد کی جملہ تصانیف کو (جنکی تعداد تقریباً چالیس یا پینتالیس کے ہے) مبسوط اور مشرح مقدمات و حواشی کے ساتھ دیدہ زیب اڈیشنوں میں شائع کرتے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس بارہ میں، حافظ سید ظہیر احمد صاحب متعلم جامعہ شمس الہدیٰ بہت زیادہ قابل داد ہیں کہ باوجود اپنے ایام طالب العلمی کے اس اہم کام کو انجام دینے میں مشغول ہیں۔ میں موصوف الصدر کو مبارک باد دیتا ہوں اور حضرات اہل بہار سے یہ عرض کردینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ خود نہیں انتظام کرسکتے ہوں تو حافظ صاحب موصوف کی ہر ممکن طریقے سے ہمت افزائی کریں تاکہ اُن کی ہمت بلند ہو۔ +

شاد ابنائے وطن کے سوگوار رہے، اب وقت ہے کہ بہار اپنے انیس کو سراہے اور سر بلند کرے، قوم کو سب سے اخیر میں اپنے شاعر کو بھلانا چاہئے!

شاد خاکِ عظیم آباد سے اُٹھے اور ۸۲ سال کی عمر پا کر ۱۳۴۵ھ میں بہار ہی سے جوار رحمت میں پہونچ گئے۔

ان سطور کی ترتیب اور تدوین میں مجھے اپنے ہونہار اور سعید شاگرد معین الدین احمد صاحب دردائی و تبارک کریم صاحب متوطنین بہار سے گرانقدر مدد ملی ہے، ہر دو حضرات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے طالب العلم ہیں اور وہ دن دور نہیں کہ جب ان کو بھی وہ درجے حاصل ہوں گے جس پر فضلائے بہار فائض رہے ہیں اور میں فخر کرتا ہوں گا۔

رشید احمد صدیقی
مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

۷۸۶

دیباچہ

بنامِ شاہدِ نازک خیالاں
عزیزِ خاطرِ آشفتہ حالاں

میرے مکرم عزیز مولوی حافظ سید ظہیر احمد صاحب متعلم جامعہ شمس الہدیٰ پٹنہ کا اصرار ہے کہ میں علامہ شاد عظیم آبادی مرحوم کی مثنوی "مادرِ ہند" کا دیباچہ لکھوں۔ اس اصرار کی عمر تقریباً ایک سال سے زیادہ ہو چکی ہے اور میں بہت محجوب ہوں کہ اسوقت تک سید صاحب کے ارشاد کی تعمیل مجھسے نہ ہو سکی۔ اس کا سبب کچھ تو تواترِ علالت اور کچھ تسلسلِ مصروفیت تھا۔ گو یہ دونوں موانع اب بھی حائلِ راہ ہیں۔ مگر اصرار کی شدت اب ایک لمحہ خاموشی کی اجازت نہیں دیتی۔

مثنوی "مادرِ ہند" بہار کے اُس زندۂ جاوید شاعر کا کارنامہ ہے جو دہلی اور لکھنؤ کے اساتذہ کی طرح مقبول و مشہور رہے اور جسکے افکار نے بہار کو صوبۂ متحدہ کی طرح زبان و محاورات میں اردو کا مرکز ثابت کر دیا ہے

عظیم آباد یوں تو ہمیشہ فضلا اور شعرا کا مولد و مسکن رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ علامہ شاد عظیم آبادی مرحوم کی نسبت نے اُسے ہندوستان کے ادبی جغرافئے میں بہت ممتاز جگہ دیدی ہے۔ اور ہم عظیم آباد کو حضرت شاد مرحوم ہی کی وجہ سے زیادہ پہچان سکے ہیں۔

اس سے پہلے کہ میں "مادرِ ہند" کے متعلق تبصرہ کروں چاہتا ہوں کہ مثنوی کی عہد بعہد تاریخ بھی لکھدوں تاکہ اردو لٹریچر میں مثنوی کے متعلق تاریخی مواد ایک جگہ جمع ہو جائے۔ اور طالبانِ فن کو اُس سے بآسانی افادے کا موقع ملے۔

مثنوی

لفظ "مثنوی" مثنےٰ[1] سے منسوب ہے۔ جو اثنین کا اسم معدول ہے۔ جیسے معنی "دو" ہیں الف یائے ن بت کے الحاق کے بعد واؤ سے بدل گیا۔ اور یہ لفظ مثنیٰ سے مثنوی ہو گیا۔

چونکہ مثنوی کے ہر شعر میں دو قافئے ہوتے ہیں اس لئے اس کا نام "مثنوی" رکھا گیا۔

غزل[2] میں ردیف اچھی معلوم ہوتی ہے اور مثنوی میں اس کے برعکس۔ مثنوی، رباعی اور غزل کی طرح مخترعات عجم سے ہے۔ و لم تکن للمتقدمین من العرب الا القطعات و القصائد۔ و المتاخرین اخذوا سائر انواع الابیات

---

[1] بدائع الافکار، ملا حسین واعظ کاشفی۔ [2] رسالہ قافیہ مؤلفہ مولانا قاسم کاہی

من العجم کالرباعی المشتہر بالدوبیت[۱] والمزدوجۃ المعرفۃ بالمثنوی۔

مثنوی کی بحر

مثنوی علی العموم قصص و اخبار اور حکایات و تاریخ کی تسوید کے لئے رائج ہوئی ہے۔ جسکے سات وزن ہیں دو بحر ہزج مسدس سے۔ دو رمل مسدس سے۔ ایک **بحر سریع** سے ایک بحر **خفیف مسدس** سے اور ایک بحر **متقارب مثمن** سے۔ مثنوی "نادرِ ہند" بھی بحر ہزج مسدس اخرب[۲] مقبوض مقصور یا محذوف میں ہے۔

بحر رجز سالم، رمل سالم، اور ہزج سالم وغیرہ لمبی بحروں میں مثنوی نہیں لکھی جاتی۔

بحر رمل مسدس میں بھی متاخرین نے بہت کم مثنویاں لکھی ہیں۔
بقول ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحر میں مثنوی لکھی تھی۔

فارسی مثنوی کی ابتدا

زمانہ اسلام سے پہلے[۳] فارسی میں کوئی شعر دستیاب نہیں ہوتا۔ نہ فارسی شعرا کا کہیں ذکر ہے۔ مشہور یہ ہے کہ سب سے پہلے فارسی زبان میں **بہرام گور** نے ایک شعر کہا تھا۔ اور ایک مصرع **یعقوب** ابن لیث صفّار نے۔

---

[۱] دوبیتی۔ [۲] اخرب و اخرم کا اجتماع اس بحر میں صحیح اور جائز ہے کیونکہ دوسرے رکن (مفاعلن) کی میم کو ساکن کرکے رکن اول کے لام سے ملا دیتے ہیں تو مفعولن فاعلن مفاعیل ہو جاتا ہے۔ [۳] تذکرۃ الشعرا دولت شاہ سمرقندی

خلفائے عباسیہ کے عہد میں امیر عبداللہ طاہر امیر خراسان کے سامنے نیشاپور میں کسی نے ایک کتاب پیش کی۔ اُس نے پوچھا یہ کیا ہے؟ نذر گزار نے عرض کی کہ یہ قصۂ "وامق و عذرا" ہے جو شاعر نے نوشیرواں کے نام سے منسوب کیا ہے۔ امیر نے کہا "ہم مسلمان ہیں ہمارے لئے قرآن و حدیث کے سوا کسی دوسری کتاب کا پڑھنا روا نہیں۔ یہ کتاب کسی کافر کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اور ہمارے لئے مردود ہے۔ پھر حکم دیا کہ اس کتاب کو غرق آب کر دیا جائے۔ اور عجم و مغان کی تصنیف و تالیف سے جو کتاب قلمرو میں ملے اُسے جلا دیا جائے۔

اسی طرح آل سامان کے زمانے تک عجمی شعرا کا کلام کسی نے نہیں دیکھا آخر شاہانِ سامانیہ کے عہد آخر میں ابوالحسن رودکی سمرقندی مشہور ہوئے۔ رودکی سے پہلے شعرائے عجم میں کوئی صاحب دیوان اور صاحب کلام نہیں ہوا۔ عہد اسلام میں سب سے پہلے مثنوی کی بنیاد یہی امام الشعرا ابوالحسن رودکی نے ڈالی ہے۔ جنھوں نے امیر نصر ابن احمد سامانی امیر خراسان کے حکم سے مثنوی "کلیلہ و منہ" لکھی۔ اور امیر نے اُن کی قدر افزائی فرمائی [1]

چہل ہزار درم رودکی زمہتر خویش ÷ عطا گرفت زنظم کلیلہ در کشور

---

[1] عنصری ۱۲ +

مثنوی کی فنی خصوصیات

مثنوی کے لئے خواہ وہ کتنی ہی طویل اور کتنی ہی مختصر کیوں نہو۔ تمہید لازمی ہے۔ اور سلسلۂ ربطِ کلام واجب۔ مثنوی کے دیباچے یا آغاز میں یہ چند چیزیں ضروری ہیں :- توحید، مناجات، نعت۔ مدح سلطانِ وقت، تعریفِ سخن و سخنوران، اور سببِ تالیف، ان تمام خصوصیات کے موسس و موجد حضرت خواجہ نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں[۵۱] +

مثنوی کی عہد بعہد تاریخ

مثنوی کی تخلیق چوتھی صدی ہجری میں ہوئی ہے ترقی و ترویج کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:-

(۱) وامق و عذرا	خلفائے عباس کے زمانے میں موجود تھی	دریا برد کر دی گئی
(۲) کلیلہ و دمنہ	از حکیم محمد ابوالحسن رودکی سمرقندی	المتوفی سنہ ۳۴۳ھ
(۳) داستان گشتاسپ	از دقیقی بخاری	
(۴) وامق و عذرا / نہر و عین	از ابوالقاسم حسن عنصری بلخی	المتوفی سنہ ۴۳۱ھ
(۵) گرشاسپ نامہ	از اسدی طوسی اُستاذ فردوسی	سنہ ۴۰۹ھ
(۶) شاہنامہ / یوسف زلیخا	از ابوالقاسم منصور فردوسی طوسی	المتوفی سنہ ۴۱۱ھ

[۵۱] مخزن الفوائد +

مثنوی	مصنف	سنہ
(۷) سعادت نامہ روشنائی نامہ	از حکیم ناصر خسرو علوی اصفہانی حجت	المتوفی سنہ ۴۳۱ھ
(۸) ویس ورامین	از ابو ذراعہ فخر الدین اسعد گورگانی	
(۹) قوس نامہ	از حکیم قطران ابن منصور الدجلی ترمذی ثم البلخی، اُستاذ انوری	سنہ ۴۶۵ھ
(۱۰) (؟)[۱]	مسعود سعد سلمان ہندی	سنہ ۵۲۵ھ
(۱۱) حدیقہ زاد السالکین طریق التحقیق الٰہی نامہ	از حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ غزنوی از مریدان خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ	المتوفی سنہ ۵۲۵ھ در غزنی
(۱۲) قصۂ یوسف زلیخا (ذو بحرین)	از عمعق بخاری	المتوفی سنہ ۵۴۳ھ
(۱۳) ویسہ ورامین	از نظامی عروضی سمرقندی	
(۱۴) وامق وعذرا	از فصیحی جرجانی	

[۱] اس مثنوی کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ ایک مثنوی سلمان ہندی نے بھی لکھی تھی ۱۲

(۱۵) سکندر نامۂ بحری مخزن الاسرار	از ابو محمد شیخ نظام الدین نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ ابن یوسف بن موید رح	المتوفی سنہ ۵۹۲ھ
(۱۶) مطلع الانوار قران السعدین	از ابو الحسن عین الدین امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	المتوفی سنہ ۷۲۵ھ
(۱۷) مثنوی جلال غرہان	از جلال الدین بن جعفر رح فراہانی	سنہ ۷۳۶ھ
(۱۸) روضۃ الانوار	از خواجہ کمال الدین کرمانی رح	سنہ ۷۴۲ھ
(۱۹) مونس الابرار	از خواجہ عماد الدین فقیہ کرمانی	سنہ ۷۷۳ھ در شیراز
(۲۰) گلشن ابرار مجمع البحرین دہ باب تجنیسات حسن و عشق ناظر و منظور یا ناصر و منصور بہرام و گل اندام	از مولانا محمد کاتبی نیشاپوری	سنہ ۸۳۹ھ و مدفن استرآباد
(۲۱) تحفۃ الاحرار اور چند دوسری مثنویاں	از مولانا عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ	سنہ ۸۹۸ھ

(۲۲) مثنوی آصفی	از خواجہ نعمت اللہ ہراتی	
(۲۳) منظر الابصار	از قاضی سنجانی رح	
(۲۴) فتوح الحرمین	از محی لاری	سنہ ۸۹۹ھ
(۲۵) مظہر الآثار	از امیر ہاشمی المعروف بہ شاہ جہانگیر کرمانی	سنہ ۹۴۹ھ
(۲۶) گوہر شہوار	از عبدی گونا بادی	
(۲۷) مشہد انوار مرأة الصفات نقش بدیع قدرت آثار	از مولانا غزالی طوسی مشہدی	سنہ ۹۸۰ھ
(۲۸) منظور انظار	از رہائی مروی	سنہ ۹۸۲ھ
(۲۹) مثنوی نویدی جام جمشید	از خواجہ زین العابدین علی عبدی بیگ نویدی شیرازی	سنہ ۹۸۸ھ
(۳۰) مشاہد داعی	از شاہ نظام الدین محمود داعی شیرازی۔	
(۳۱) مثنوی قاسم	از قاسم کاہی عرف میاں کالے	سنہ ۹۸۷ھ
(۳۲) مہر و وفا	از محمد بیگ سالم ابن ابوالفتح بیگ ترکمان	

کتاب	مصنف	سنہ
(۳۳) مظہر الاسرار	از حکیم ابو الفتح دوائی لاہیجی	
(۳۴) خلد برین	از مولانا وحشی کرمانی	سنہ ۹۹۲ھ
(۳۵) مجمع الابکار	از جمال الدین عرفی شیرازی	المتوفی سنہ ۹۹۹ھ لاہور
(۳۶) زبدۃ الافکار	از زین الدین مسعود نیکی خلف علی اصلاح اصفہانی	۲ رمضان سنہ ۱۰۰۱ھ
(۳۷) مرکز ادوار نل دمن سلیمان و بلقیس ہفت کشور اکبر نامہ	ملک الشعرا شیخ فیضی فیاضی خلف شیخ مبارک ناگوری برادر شیخ ابو الفضل۔	المتوفی دہم صفر سنہ ۱۰۰۴ھ
(۳۸) مثنوی زاہد	از میر مرتضی علی از سادات دو علما و شعرائے معتبر خان زمان	
(۳۹) مثنوی نامی حسن و ناز پری صورت	از میر محمد معصوم خان نامی از امرائے اکبر	
(۴۰) مثنوی نشانی	از مولانا علی احمد نشانی ابن مولانا حسین نقشی دہلوی استاد شہنشاہ جہانگیر	سنہ ۱۰۲۰ھ

(۴۱) تحفۂ میمونہ	از محمد حسن دہلوی	
(۴۲) مثنوی شافی تکلو	از مولانا نشف آقا کہ مولدِ او از یاق تکلو بود	سنہ ۱۰۲۳ھ
(۴۳) منبع الانہار	از مولانا ملک قمیؒ	سنہ ۱۰۲۴ھ
(۴۴) دیدۂ بیدار	از حکیم شرف الدین حسن شفائی اصفہانی	سنہ ۱۰۳۷ھ
(۴۵) زبدۃ الاشعار شاہنامۂ نواب اعلیٰ شاہرخ نامہ لیلی مجنون خسرو شیرین گوئے چوگان عاشق و معشوق	از مرزا قاسم گونابادی	
(۴۶) دوست بیدار	از ملا شیدا فتحپوری	سنہ ۱۰۸۰ھ
(۴۷) مثنوی بہائی نان و حلوا شیر و شکر	از شیخ بہاء الدین عاملی بہائی معاصر شاہ عباس صفوی ولد شیخ حسین۔	المتوفی سنہ ۱۰۳۰ھ در اصفہان

(۴۸) ہفت آشوب (جس میں سات مثنویاں ہیں۔ محمود و ایاز، آذر و سمندر، شعلہ دیدار، میخانہ، ذرہ و خورشید، حسن گلوسوز، سلیمان نامہ	از ملا زلالی خورنساری شاگرد میرزا جلال اسیر۔	
(۴۹) مثنوی باقر	از باقر کاشی خردہ برادر خورد ملا مقصود کاشی معاصر شاہ عباس	سنہ ۱۰۳۸ھ
(۵۰) مثنوی قدسی	از حاجی محمد جان مشہدی قدسی	سنہ ۱۰۵۶ھ
(۵۱) مثنوی سلیم	از محمد قلی سلیم طہرانی	سنہ ۱۰۵۷ھ
(۵۲) مثنوی حاذق	از حکیم حاذق فتح پوری ابن حکیم ہمام گیلانی	المتوفی سنہ ۱۰۶۷ھ در اکبرآباد
(۵۳) ناز و نیاز	از مولانا نجاتی گیلانی	
(۵۴) مثنوی الٰہی	از میر الٰہی ابن حجت الدین سعد آبادی	سنہ ۱۰۶۴ھ

(۵۵) مثنوی ادہم	حضرت سید ابراہیم ادہم صفوی رحمۃ اللہ علیہ (آپ عہد شاہجہاں میں ہندوستان آئے تھے۔	سنہ ۱۰۶۰ھ
(۵۶) مثنوی غافل	از محمد تقی غافل	شاہ عباس ثانی کے زمانے میں انتقال فرمایا
(۵۷) مثنوی فدائی	از محمود بیگ فدائی طہرانی۔	
(۵۸) مثنوی غیاث	از مولانا غیاث سبزواری	
(۵۹) مظہر الانوار	از مولانا سید ہاشمی بخاری	
(۶۰) مثنوی صفا	از ملا محمد باقر نائینی	
(۶۱) مثنوی ملا صبحی	از ملا بیرم بیگ صبحی سرکانی	
(۶۲) مثنوی ملا شریف	از ملا محمد شریف اصفہانی	
(۶۳) مثنوی فائز	از مرزا علاء الدین محمد خلف میرزا رفیع شہرستانی۔	
(۶۴) مثنوی وحید	از میرزا محمد طاہر وحید قزوینی	سنہ ۱۱۰۵ھ
(۶۵) مثنوی والہی	از میر والہی قمی	سنہ ۱۱۰۶ھ تک زندہ تھے
(۶۶) مثنوی والہ ہروی	از درویش حسن والہ ہروی	
(۶۷) مثنوی سنجر	از میر محمد ہاشم خلف میر حیدر معمائی کاشی	سنہ ۱۰۲۱ھ

(۶۸) مثنوی فصیحی	از ملک الشعرا مرزا فصیحی ہروی انصاری	
(۶۹) مطلع الانوار	از میر باقر داماد اشراق	سنہ ۱۰۴۶ھ
(۷۰) مثنوی میرزا جلال	از میرزا جلال اسیر شہرستانی اصفہانی ابن مرزا مومن	سنہ ۱۰۴۹ھ
(۷۱) مثنوی یحییٰ کاشی	از میر یحییٰ کاشی شیرازی	سنہ ۱۰۶۴ھ
(۷۲) مثنوی اشرف	از ملا محمد سعید اشرف پسر ملا صالح، ماژندرانی صبیہ زادۂ ملا محمد تقی مجلسی اتالیق شہزادی زیب النسا بیگم۔	
(۷۳) نیرنگ عشق	از ملا اکرم پنجابی المتخلص بہ غنیمت	سنہ ۱۰۹۶ھ
(۷۴) مثنوی صادق	از آقا محمد صادق تفرشی	
(۷۵) مثنوی لائق	از میر محمد مراد جونپوری	
(۷۶) مطمح الانظار	از شیخ محمد علی حزیں اصفہانی	المتوفی سنہ ۱۱۸۰ھ در بنارس
(۷۷) مثنوی قاآنی	از حسان العجم مجتہد الشعرا میرزا حبیب اللہ قاآنی شیرازی۔	سنہ ۱۲۸۰ھ
(۷۸) مثنویٔ درد و داغ رنگ و بو تہنیت عید	از مرزا اسد اللہ خان غالب اکبرآبادی شاگرد مرزا عبد الصمد اصفہانی۔	سنہ ۱۲۸۵ھ

(۷۹) تاجِ سخن	از مولوی محمد عبد الرؤف وحید	
(۸۰) مشرق الانوار	از مولوی عبد الرحیم تمنا گورکھپوری	
(۸۱) چارۂ بیمار	از عبد الحلیم عاصم	

نوادر المصادر میں مثنوی خقّاف، اور مثنوی ابو شعیب کا بھی ذکر ہے مگر ان مثنویوں کا حال تحقیق نہ ہو سکا۔

اردو مثنوی کا دور

یہ تو فارسی مثنویوں کا ذکر تھا۔ اب اردو میں مثنویوں کی تدوین و تالیف ملاحظہ فرمائیے :-

اُردو میں مثنوی کہنے کا رواج ۱۰۱۹ھ میں ہو چکا تھا۔ غالباً قطب شاہ فرمان روائے **گولکنڈہ** (دکن) نے سب سے پہلی مثنوی نعت میں بزبان دکنی بھاشا کہی تھی۔ اُس کے بعد مندرجۂ ذیل مثنویاں تصنیف ہوئیں :-

(۲) صیف الملوک و بدیع الجمال	از ملا غواصی دکنی	
(۳) علی نامہ	از نصرتی	۱۰۶۳ھ
(۴) یوسف زلیخا اردو	ملا ہاشمی	

(۵) من لگن	از خواجہ بحری	سنہ ۱۱۱۲ھ
(۶) مثنوی ولی دکنی در حالات شہدائے کربلا۔	از میر شمس الدین ولی دکنی	سنہ ۱۱۴۱ھ
(۷) بوستان خیال	از سید سراج الدین اورنگ آبادی	سنہ ۱۱۶۰ھ
(۸) لال وگوہر	از عارف الدین عاجز	المتوفی سنہ ۱۱۷۸ھ
(۹) چوبیس ۲۴ مختصر مثنویاں	از مرزا رفیع سودا	
(۱۰) شعلۂ شوق دریائے عشق خوابِ خیال	از میر تقی میر اکبر آبادی	
(۱۱) خوابِ خیال	از میر اثر برادر خرد خواجہ میر درد	
(۱۲) اسرارِ محبت	از شجاع الدولہ حافظ رحمت خان روہیلہ	سنہ ۱۱۹۷ھ
(۱۳) مثنوی بے قید	از فضائل علی خان بے قید	سنہ ۱۱۹۹ھ
(۱۴) سحر البیان رموز العارفین گلِ ارم	از میر حسن دہلوی	

(۱۵) دریائے لطافت	از سید انشا لکھنوی	
(۱۶) مثنوی ریختی	از سعادت یار خاں رنگین	
(۱۷) بحر المحبت	از شیخ غلام ہمدانی مصحفی امروہوی	
(۱۸) سوز و ساز	از طالب علی خاں عیشی شاگرد مصحفی	
(۱۹) لیلے مجنون (ترجمہ)	از میر تقی ہوس شاگرد مصحفی	
(۲۰) سبعہ سیارہ (۷ مثنویاں)	از نواب اعظم الدولہ سرور دہلوی	
(۲۱) خسروان عجم	از منشی مولچند دہلوی	سنہ ۱۲۲۵ھ
(۲۲) شکایت ستم سنہ ۱۲۱۳ھ قصۂ غم سنہ ۱۲۳۵ھ قول غمین سنہ ۱۲۳۶ھ	از حکیم مومن خان دہلوی	
(۲۳) نل دمن	از راحت لکھنوی	سنہ ۱۲۴۴ھ
(۲۴) سراج	از شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی	سنہ ۱۲۵۴ھ
(۲۵) گلزار نسیم	از پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی	سنہ ۱۲۵۴ھ
(۲۶) سراپا سوز	از ملک الشعرا قاضی صادق علی خان۔ اختر	

(۲۷) صیدیہ	از میر وزیر صبا لکھنوی شاگرد آتش	سنہ ۱۲۶۴ھ
(۲۸) رامائن (ترجمہ)	از منشی جگناتھ خوشتر لکھنوی	سنہ ۱۲۶۷ھ
(۲۹) دریائے تعشق	از نواب واجد علی شاہ۔ اختر فرماں روائے اودھ	
(۳۰) لذتِ عشق	از آغا حسن نظم لکھنوی	
(۳۱) مثنوی عالم	از نواب بادشاہ محل عالم ملکۂ اودھ	
(۳۲) طلسم الفت	از آفتاب الدولہ قلق لکھنوی	
(۳۳) دُرّۃ التاج	از منشی مظفر حسین اسیر لکھنوی	
(۳۴) زہر عشق فریب عشق بہار عشق	از نواب مرزا شوق لکھنوی	
(۳۵) سحر عشق	از حکیم آغا حسن ازل لکھنوی داماد نواب مرزا شوق لکھنوی	
(۳۶) فتوح الشام (ترجمہ)	از سید عبد الرزاق کلامی رآ بریلوی	
(۳۷) مہابھارت (ترجمہ)	از منشی طوطا رام شایاں	
(۳۸) نور تجلّی ابر کرم	از مفتی امیر احمد امیر مینائی لکھنوی	

(۳۹) فریادِ داغ	از فصیح الملک نواب میرزا خان داغ دہلوی	
(۴۰) صبح تجلی چراغ کعبہ شفاعت و نجات	از حضرت مولانا سید محمد محسن کاکوروی	
(۴۱) حجاب زنان	از سید اسمٰعیل حسین منیر شکوہ آبادی شاگرد شیخ ناسخ لکھنوی	
(۴۲) نالۂ تسلیم شام غریباں صبح خنداں	از منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی	سنہ ۱۲۷۹ھ
(۴۳) مثنوی تمیمۂ شوق	از منشی احمد علی شوق لکھنوی	سنہ ۱۳۰۵ھ
(۴۴) فسانۂ عجائب	از سید ولایت علی فردوس لکھنوی	
(۴۵) تصویر سخن	از مرزا عاشق حسین بزم آفندی اکبر آبادی	
(۴۶) مادرِ ہند	از علامہ شاد عظیم آبادی۔	
(۴۷) الہام منظوم (ترجمہ مثنوی مولانا روم)	از سیماب اکبر آبادی۔	

دونوں جدولوں پر سرسری نظر ڈالنے سے واضح ہوجاتا ہے۔ کہ فارسی مثنویوں کے مقابلے میں اُردو مثنویوں کا شمار بقدر نصف ہے۔ اور اگر تراجم اس فہرست سے حذف کر دیئے جائیں تو اُردو کی طبع زاد مثنویاں فارسی مثنویوں سے آدھی بھی نہیں رہتیں +

اب مثنوی نگاری کا رواج مٹ چکا ہے۔ اور وقائع نگاری نثر میں زیادہ مناسب سمجھی جاتی ہے۔ بہرکیف اس صنف پر اُردو میں جو چند مثنویاں لکھی جاچکی ہیں اردو شاعری کے لئے وہ ہی سرمایۂ ناز ہیں +

مثنوی مادرِ ہند

خان بہادر سید علی محمد شاؔد عظیم آبادی مرحوم نے یہ مثنوی اپنی آخری عمر میں کہی ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں

دھن میں تری اے کمال ہم نے + کاٹے ہیں ساٹھ سال ہم نے

مثنوی اُسی بحر میں ہے جسمیں قوتِ مثنوی نگاری کا متاخرین میں مقابلہ رہا ہے۔ مثنوی مادرِ ہند ایک قسم کی سیاسی مثنوی ہے اس لئے اس میں حسن و عشق کی چاشنی نہیں ہے۔ تاہم مصنف کا کمال یہ ہے کہ اُسنے مثنوی کے کسی حصے کو تلخ یا خشک نہیں ہونے دیا +

مثنوی کا پلاٹ

مثنوی کا پلاٹ یہ ہے کہ ملک ہندوستان میں مادرِ ہند ایک عفیفہ تھی۔ اُس کے دو فرزند تھے رام اور رحیم (ہندو اور مسلمان) جب تک دونوں آپس میں متحد رہے مادرِ ہند کی عظمت و رفعت اور شہرت و عزت میں اضافہ ہوتا رہا۔ آخر ان دونوں میں نفاق ہوگیا۔ نظامِ سلطنت میں اس نفاق سے انتشار پیدا ہوا۔ مادرِ ہند نے اپنے دونوں فرزندوں کو سمجھایا۔ مگر اُن کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ آخر کچھ نو وارد تاجر ہندوستان آئے اور مادرِ ہند پر قبضہ کرلیا۔ مادرِ ہند نے اپنے فرزندوں کو نصیحت کی کہ میری اصلاح و فلاح کے لئے خدا نے اس قوم کو یہاں بھیجا ہے تم دونوں ان کی اطاعت کرنا۔ اور ان کے مشورے سے کام کرنا۔ اس کے بعد شہنشاہیت کا دور آیا۔ ۱۸۵۸ء میں شاہی فرمان جاری ہوا۔ ممالکِ ہند پر شہنشاہی تسلط ہوگیا۔ مادرِ ہند کی صورتِ حال بدل گئی۔ تیس ۳۰ برس دورِ حکومت کے بعد پہلی جوبلی ہوئی۔ مادرِ ہند کو بھی دربار میں بُلایا گیا۔ مادرِ ہند نے اپنے فرزندوں کے لئے رعایت کی سفارش کی۔ دربارِ شاہی سے جواب ملا کہ تیرے فرزند جب حکومت کے قابل ہوجائیں گے تو اُن کا حقِ فرماں روائی اُنھیں واپس دیدیا جائیگا۔ اگر سچ پوچھئے تو حضرت شاؔد مرحوم نے ہندوستان کے ماضی و حال کا نقشہ کھینچکر ہندوستانیوں کے

دلی جذبات کی صحیح ترجمانی فرمائی ہے۔ اور اسی ضمن میں حکومت کا حق نمک بھی ادا کیا ہے۔ جو بہ صلۂ عطائے خطابؔ "خان بہادر" اُن پر لازم آتا تھا +

مثنوی میں زبان کا درجہ

مثنوی میں صحیح، ستھری، اور صاف زبان استعمال کرنے کا مصنف نے جابجا خیال رکھا ہے اور صحیح محاورات جو فصحا کا دستور العمل تھا اس مثنوی میں صرف کئے ہیں۔ یہ چند شعر ملاحظہ فرمائیے۔ جو زبان اور محاورے کے اعتبار سے اسلوب مثنوی کا بہتر نمونہ ہیں ؎

سوتا سنسار جاگتا رب الحق یہی سچ ہو اور غلط سب

پھل پھول کا جنگلوں کے کیا مول بک جاتے تھے وہ بھی سونے کی تول

بنیاد اماں کو بھی ہلا دے گھر لاکھ کا خاک میں ملا دے
پھر خیر کہاں جب آگیا شر منڈلاتی تھیں شامتیں سروں پر

ہے کام نفاقِ فتنہ گر کا گھر کھوج مٹا دیا ہے گھر کا

ایجاز و اختصار

مثنوی گلزار نسیم کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اُس میں ایجاز و اختصار سے بہت کام لیا گیا ہے ؎

پتّے پھل پھول چھال لکڑی — سب لیکے چمن سے راہ پکڑی
خالق نے دیئے تھے چار فرزند — دانا عاقل ذکی خردمند

"مادرِ ہند" میں بھی اسی قسم کے ایجاز سے کام لیا گیا ہے۔ ہندستان کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ ؎

انگور، انار، سیب بادام — کیلے، امرود، کھرنیاں، آم
نیلم، پکھراج، لعلِ احمر — ہیرا مانک، عقیق، گوہر
پنّا مونگا طلا و نقرہ — زیبق لوہا مس اور جستہ
کیونکر نہ ہو دنگ عقلِ ناظر — جس چیز کو ڈھونڈے وہ حاضر
انہار و بحور و چشمۂ و چاہ — از کوہ بلند تا بر کاہ

ساقی نامے

ساقی نامہ بھی مثنوی کا ایک جزو ہے حضرت شاد عظیم آبادی مرحوم نے اپنی سیاسی مثنوی میں بھی ساقی ناموں کا انتظام کیا ہے۔ ایک ساقی نامہ کے چند شعر ملاحظہ فرمائیے

ساقی قدحِ شراب لا جلد　　اک آگ لگی ہے مے پلا جلد
ہیں پیاس سے اپنی باں پیں چھالے　　پر کالۂ آتشیں ہیں نالے
جلتا ہے جگر جو اس بیاں پر　　شعلہ ہے سخن مری زباں پر
اس آگ کو کون شے بجھائے　　ساغر کوئی دے کہ چین آئے

دوسرے ساقی نامے کے بھی بعض اشعار بہت بلند ہیں ؎

ساقی ہو فلک کے انقلاب اب　　چکر میں ہے عقل دے شراب اب
آنکھوں پہ پڑے ہوئے ہیں پردے　　لا جام کسی طرح تو بھر دے
اک جام میں مجھکو بے خبر کر　　مے ڈھال کے قصہ مختصر کر

دربار کے حالات کس لطف کے ساتھ قلمبند کئے ہیں ؎

اک سو وزرا کے جمگھٹے تھے　　اک سو امرا کے جمگھٹے تھے
اک سمت سفیر صف جمائے　　اک سو خدام سر جھکائے
رکھے ہوئے دید کوئی سر پہ　　جاری تھا زبان سے اُسکی ہر ہر
سینے سے لگائے کوئی قرآں　　گویا تھا ملک بشکل انساں
تقوے کا لباس زیب تن تھا　　آئینہ نورِ حق بدن تھا
رکھے ہوئے فرق پر عمامہ　　ہم طرزِ عرب تمام جامہ

وہ عظمتِ فرّ و شانِ شوکت — وہ فوج کے افسروں کی حشمت
وہ اطلس زرنگار کا فرش — وہ تخت کا اوج صورتِ عرش
وہ چترِ شہی کی جگمگاہٹ — وہ برق نگہ کی تلملاہٹ

غرض کہ اسی طرح تمام مثنوی محاکات، واقعات، واردات اور کیفیات سے لبریز ہے۔ کمالِ شاعری یہ ہے کہ مصنف نے موضوع کو کہیں خشک نہیں ہونے دیا۔
آخر میں مصنفِ ممدوح نے شعرائے ہم عصر کو اردو کی خستہ حالی اور کلام کی بے قدری کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ ؎

ای خدمتیانِ بزمِ اشعار — ای جوہریانِ سرد بازار
ای رتبہ شناسِ فنِ کمالاں — مرہم نہ ریشِ خستہ حالاں
یہ فنِ شریف "شاعری" نام — ہوتا ہے بخیر جس کا انجام
جاتا، ہار کھا رکھاؤ اس کا — دنیا سے ہے چل چلاؤ اس کا
سالم ہے خُم نہ جام باقی — میخانہ تہی، خموش ساقی
معدوم اب اسکے ہیں خریدار — اردو کا اُجڑ رہا ہے بازار
ہیں مشتریوں کے بام و در بند — توقیرِ کلام ہے نظر بند
بے سود صدا لگا رہے ہیں — بے وقت کا راگ گا رہے ہیں

میرا خیال ہے کہ مثنوی "مادرِ ہند" اپنے موضوع مخصوص میں متاخرین کی مشہور مثنویوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اور اب چونکہ مثنوی نگاری کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اور حضرت شاد عظیم آبادی بھی ہم سے وداع ہو چکے ہیں اس لیئے ہمیں اس مثنوی کی ہر طرح قدر و عظمت کرنی چاہیئے۔

قصر الادب آگرہ
۲۸ جون سنہ ۱۹۳۵ء

سیماب
صدیقی الوارثی اکبرآبادی
مدیر "تاج" و "شاعر" آگرہ

مثنوی

مادرِ ہند

مصنفہ

فخر الادبا ملک الشعرا خان بہادر سید علی محمد شاد عظیم آبادی

مرتبہ

معلے القاب جناب مولوی حافظ سید ظہیر احمد صاحب شمسی عظیم آبادی

باہتمام

منیجر شاد بک ڈپو۔ پٹنہ سیٹی

سنہ ۱۹۳۵ء

برقی مشین پریس مراد پور بانکی پور میں طبع ہوئی

رقمی علی حسن عظیم آبادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرزمین ہندوستان

خدام شہی کا کہنہ ہمراز
عرشی قلم و ملک ہم آواز

ہے اپنے وطن کا خیر اندیش
یہ مخلص رازداں وفا کیش

غمخوار وطن کا اور غم اندوز
یوں نوحہ کناں ہے اب بصد سوز

یاد آگئی اسکو اک کہانی
یوں کہتا ہے شاد کی زبانی

سوتا سنسار جاگتا رب
الحق یہی سچ ہے اور غلط سب

جو اسکے علاوہ ہے کہانی
جھوٹی ہے کسی کی ہو زبانی

ہاں یہ مری داستان شیریں | ہے لائق صد ہزار تحسیں

وہ شان وہ آن بان ساری | گذری ہے نگاہ سے ہماری

خود صدق پہ اسکا استعارہ | ہر لفظ میں کرتا ہے اشارہ

یعنی کہ غلط نہیں کوئی حرف | تا وسع صداقتیں ہوئیں صرف

موسم ہے زبس نشاط انگیز | اب عیں لب خامہ ہے گہر ریز

اک ملک جو ایشیا کی ہے جاں | فردوس بریں ہے جس پہ قرباں

وہ قطعۂ ارض پاک و مشہور | ہم صورت خلد چشم بد دور

عظمت میں کنشت سے فزوں تر | خوبی میں بہشت سے فزوں تر

بتخانۂ چیں وہاں کے بازار | ہر ایک دکان کانِ عطار

دیکھے اگر اس زمین کی گرد
آتشکدۂ عجم بھی ہو سرد

کب فقر کا اس جگہ تھا اندوہ
دامن میں لئے تھا زر ہر اک کوہ

ہر گوشہ زمیں کا رشک گلشن
جس نخل کو دیکھئے وہ چندن

خود خضر جو سینچتے تھے پانی
پہنے تھی زمیں لباس دھانی

عود و اگر و عبیر و عنبر
افراط سے ہر جگہ میسر

عیسیٰ نفسی جو تھی صبا میں
صحت تھی ملی ہوئی ہوا میں

پورب پچھم تھا معدن زر
دکھن اُتر سے خوشنما تر

گھیرے تھے کئی طرف سمندر
اک سمت جبال آسمان فر

اس ارض کو زرنشار کہیے
اک قلعۂ استوار کہیے

ہر کوچہ میں جاگزیں تھی نزہت
ہر قطعہ میں اک نئی لطافت

ہر سنگ کو لعل پر شرف تھا
الماس بصورتِ خزف تھا

ہر ذرّہ تھا آبرو میں گوہر
ہم سنگ جواہرات پتھر

ہر نخل ہو جسکا سرو پیکر
طوطی بولے نہ اُس کا کیونکر

بازارِ عدن ہانکے رستے
پانی کے عوض گہر برستے

رتبہ میں ہر ایک نخل برتر
ہر شاخ کمند بامِ اخضر

مخمل کی طرح زمیں میں نرمی
سردی تھی سوا نہ تیز گرمی

جو گل تھا وہ زر بکف نہادہ
الوان نعم بچھائے جادہ

دنیا میں جہانتک ہیں پھل پات
یا آب و ہوا کے اختلافات

زینت میں مزاج میں قوا میں — کیا ظلم و جفا میں کیا وفا میں

یہ جملہ صفات غیر محدود — اس قطعۂ ارض میں تھی موجود

خوش رنگ ہر اک شجر کے اثمار — کوزوں میں لیے نبات تیار

بالفرض یہاں جو لا کے بوتے — خرما کے بھی درخت کھٹے ہوتے

انگور و انار و سیب و بادام — کیلے، امرود، کھرنیاں، آم

نیلم، پکھراج، لعل احمر — ہیرا، مانک، عقیق، گوہر

پنا، مونگا، طلا و نقرہ — زیبق، لوہا، مس اور جستہ

کیونکر نہ ہو دنگ عقل ناظر — جس چیز کو ڈھونڈھیے وہ حاضر

باغوں میں پرند ہر طرح کے — جنگل میں چرند ہر طرح کے

انہار و بحور و چشمہ و چاہ — از کوہ بلند تا پر کاہ

ہر شے کو بیاں کروں میں کیونکر — گر نام لکھوں کہیں ہوں دفتر

حق جو ہو کبھی وہاں ہے دلتنگ — تیرتھ کی جگہ ہے گنگ تا سنگ

[illegible]

جناب عالیہ متعالیہ عصمت مآب مادر ہستہ

ایک محتشمہ وہاں کی ساکن — اس مادر دہر کی تھی ہم سن

دیکھے ہوئے سیکڑوں زمانے — دنیا کے پڑھے ہوئے فسانے

خورشید فلک کی تھی وہ ہم عمر — تھے اہل زمیں اس سے کم عمر

آدم سے ملی تھی وہ خوش اوقات — قائم حوا سے تھی مدارات

یہ دخت مشیئت الٰہی — یہ خاص کنیز بارگاہی

حضرت آدم بہشت سے سرزمین ہند پر وارد ہوئے

ہم رتبۂ نوح اک یہی تھی — طوفان سے زندہ بچ رہی تھی

ہم خوابۂ پیر آسمان تھی — اس پر بھی قوی تن و جوان تھی

پہنچی تھی جو دور دور شہرت — پھیلی تھی جہان میں اسکی عظمت

ذی جاہ و خجستہ کام تھی وہ — عالم میں بلند نام تھی وہ

دولت کے وفور میں تھی مشہور — خلق و کرم و عطا سے معمور

مشہور تھا فیض عام اُس کا — تھا مادھنا نام اُس کا

آتے تھے جب اسکے گھر میں مہمان — کرتی تھی وہ سو طرح کے احسان

ذی شوکت و مالدار کرتی — تو اُسے فلک وقار کرتی

کرتا تھا گدا وہاں پھیری — عنقا تھی فلاکت و فقیری

شاہوں سے زیادہ اس کا درجہ
جتنے راجہ تھے اُسکے پرجا

آتا جو کوئی تو مال دیتی
طالب کو عجب جال دیتی

ایسا ہی سلوک کچھ کیا تھا
مہمانوں نے گھر بنا لیا تھا

ہوتا تھا بسر عجب زمانہ
ہر طرح گھر اُس کا عیش خانہ

حشمت بھی کنیز خاص اُسکی
ثروت ادنی خواص اُسکی

ہر سمت تھا مال و زر کا انبار
دربار تھا یا سحاب دُربار

ہر گوشۂ ملک سبز و شاداب
راجہ تھا کوئی تو کوئی نواب

غفلت میں بھی سب کا تھا یہ عالم
سوئے ہوئے شیر سے نہ تھے کم

دم بھر کو اگر وہ جاگ جاتے
ضیغم بھی ڈپٹ سے بھاگ جاتے

اُس مُلک کا مال یا کہ ہو زر
جاتا نہ کہیں وہاں سے باہر

ہر جنس کے دام بے تگ و دو
دن دُون کی جگہ پہ ملتے سو سو

کالے کوسوں سے آ کے تجّار
اجناس خریدتے تھے ہر بار

اُس مُلک کو سادہ لوح پا کے
آتے تھے جتھے بنا بنا کے

تا منزلت و وقار پائیں
رفتہ رفتہ اثر بڑھائیں

پھل پھول کا جنگلوں کے کیا مول
بک جاتے تھے وہ بھی سونے کی تول

مادرِ ہند کے دو لاڈلے فرزند

اس محتشم کے دو پسر تھے
دونوں سے قوی دل و جگر تھے

دانا و ذکی و خوش بیاں تھے
ہر طرح سے فخرِ خانداں تھے

اک لخت جگر کا رام تھا نام — خوشخو تھا بہت وہ نیک انجام

دلبند دوم جو نامور تھا — نام اس کا رحیم مشتہر تھا

ہر طرح سے دونوں من چلے تھے — گہوارۂ ناز میں پلے تھے

ہر شخص فریفتہ تھا ان کا — جو دل تھا وہ شیفتہ تھا انکا

کہتا تھا یہ دیکھ کر زمانہ — دونوں سے ہے گھر نگار خانہ

دونوں ہی ہیں نیکیوں میں مشہور — مہ پارہ ہیں دونوں چشم بد دور

اقبال کے ہیں سب انہیں آثار — کیونکر نہوں ماں کے گھر کے مختار

خورشید سپہر سروری ہیں — اورنگ نشین برتری ہیں

کیا کیا نہ دلوں میں ولولے ہیں — کیونکر نہ ہو ماں کے لاڈلے ہیں

وہ مادرِ خیر جو نیکو نام | دونوں ہی سے لیتی گھر کے کام

کام ان کا تھا معدلت شعاری | اک فیض تھا چار سمت جاری

پاتا تھا یہاں مراد ہر شخص | تھا فرطِ طرب سے شاد ہر شخص

تھا دفترِ ملک رام کے ہاتھ | سب کام تھے انتظام کیساتھ

دونوں ہی کہ نجیب جاگتے تھے | دونوں ہی ریا سے بھاگتے تھے

تھا رامؔ رحیم میں زبس حب | معدوم تھا مذہبی تعصب

یہ اس پہ تو اس پہ وہ فدا تھا | ایک ایک پہ دل سے مبتلا تھا

برتاؤ تھا یہ برادرانہ | ہر کام تھا انکا مخلصانہ

ازبسکہ دلوں میں تھی صفائی | دکھتا سبدل تھے دونوں بھائی

رام اُس کو پکارتا یہ کہہ کر	بھائی تواب "مغل گستر"
تھا بسکہ رحیم دل سے شیدا	راجہ بھائی لقب دیا تھا
گر دل میں ذرا غبار آتا	بو اُن کی اگر غنیم پاتا
چڑھ آتا تھا لیکے اپنا لشکر	تا چھین لیں اُن سے مال و زر
کر لیتے تھے جلد تر صفائی	ہو جاتے تھے ایک دونوں بھائی
یہ سُن کے غنیم بھاگ جاتا	بھولے سے بھی اسطرف نہ آتا
اسطرح سے مال کی نیابت	بڑھتا رہا ملک و مال و دولت

اُن دونوں فرزندوں کا آپس میں نفاق اور نظم مملکت سے غفلت کرنا

لیکن افسوس کچھ دنوں بعد	بگڑا دونوں کا طالع سعد

عیش آ کے ہوا شریک صحبت
ہستی تھی سبھا جلیس غفلت

جاتے رہے دل سے عدل و انصاف
جس چیز کو دیکھو اسمیں اسراف

پیدا ہوئی دل میں استقرار کد
ذاتوں کے بچار کی نہ تھی حد

آزادی و مطلق العنانی
اس دور میں ہو گئی کہانی

بڑھنے لگی نا بنوں کی غفلت
پھر کیوں نہ تباہ ہو رعیت

نعرۂ مستانہ و خطاب بساقی فرزانہ

ساقی قدح شراب لا جلد
اک آگ لگی ہے مے پلا جلد

ہیں پیاس سے اب زباں میں چھالے
پرکالۂ آتشیں ہیں نالے

جلتا ہے جگر جو اس بلا پر
شعلہ ہے سخن مری زباں پر

اٹھتا ہے دھواں جو اپنے سر سے — اوجھل ہی جہاں ہی نظر سے

ہو جائے کباب دل جو بھن کر — ہوں قطرۂ اشک کیوں نہ اخگر

اس آگ کو کون شے بجھائے — ساغر کوئی دے کہ چین آئے

غفلت سی جو ہر طرف عیاں ہے — بجیں مرے ستھا اک جہاں ہے

پتھر جو پڑیں سمجھ کے اوپر — تدبیر سے کام نکلے کیونکر

جب ہوش نے کر لیا کنارہ — کیا ہو سکے آدمی سے چارہ

جس وقت نفاق ہو در انداز — سازش سے بھلا ہو کسطرح نسا

بھائی ہو سگا تو ہے وہ دشمن — اس راہ میں خضر خود ہی رہزن

ہوں جبکہ جلیس فتنہ پرداز — آب اپنی زباں ہو دشمن راز

اقبال کے بعد ہے جو ادبار ٭ ہنستا ہے کلی کے چشم خونبار

القصہ نہ رہ خموش ساقی
لا دشمن ہوش گوش ساقی

مینا مرے ہونٹ سے لگا دے
ہے کون جو بخت کو جگا دے

اے کلک دکھا مجھے روانی
درکار ہے داد خوش بیانی

جو حرف لکھوں وہ ہو جنوں خیز
جو لفظ کہوں وہ عبرت انگیز

ہر بات تری ہے تیر دل دوز
لکھ اے قلم اک غزل بصد سوز

غزل

آئی ہے بلائے آسمانی
بس طول حیات مہربانی

اے روح اک دکھ میں خوش ہو
پائندہ ہے تیری زندگانی

سوتا سنسار جاگتا حق
سچی تھی اسی قدر کہانی

اب ایک کا بھی پتا نہیں ہے
چھوڑی تھی بہت سی ہی نشانی

کتنے کئے گھر تباہ تو نے
اے خانہ خراب بدگمانی

اے صبر ترا ہے بس سہارا
کب تک سہوں جورِ آسمانی

مل جا کہ بس آخیر ہے عمر
اے لطف فزاے زندگانی

شعر ایسے سنا و شاد جن سے
کھل جائے حقیقت معانی

رجوع بہ بیان حالات ہر دو فرزندان نامی

پہنچا ہے کہاں قلم کہاں سے
اب عطف عناں کرو یہاں سے

ہاں پھر مری داستان سنیئے
جانکاہ ہے یہ بیان سنیئے

وہ مصدر معدلت پناہی — کرتے رہے مل کے بادشاہی

پر اب جو نفاق دل میں آیا — چن چن کے بلائیں سر پہ لایا

دل دونوں کے ہو گئے دگرگوں — دونوں کا سفید ہو گیا خوں

یہ جہل کہ دشمن وفا ہے — مشہور جہاں ہے بد بلا ہے

ہے اس سے قوی نفاق کی جڑ — کٹ جاتی ہے اتفاق کی جڑ

بنیاد امان کو بھی ہلا دے — گھر لاکھ کا خاک میں ملا دے

دونوں ہوئے علم و فن سے بیزار — دونوں ہوئے جہل میں گرفتار

جب علم و عمل کا ساتھ چھوٹا — گھر بغض و حسد نے آ کے لوٹا

برباد ہوا وہ کارخانہ — خالی کیا عیش میں خزانہ

ایک ایک کی چاہتا تھا خواری — کرتا تھا عدو کی پاسداری
ایک ایک پہ چاہتا تفوق — بدخواہ سے کرتا تھا تملق
دونوں میں بڑھی جو سخت تکرار — حاسد ہوئے آکے گھر کی مختار
آپس کی تھی جنگ بہت سخت — جاتی رہی شان و شوکت تخت
ان دو میں کوئی تھا شکیبا — لڑنے کو سمجھ رہے تھے زیبا
یہ دونوں تھے ایک ماں کی اولاد — کرنے لگے لڑکے گھر کو برباد
پھر خیر کہاں جب آگیا شر — منڈلا رہی تھیں شامتیں سر پر

محتشمہ مادرِ ہند کا دونوں فرزندوں کو سمجھانا

وہ مصدرِ معدنِ نکوئی — وہ منبع خیر و صلح جوئی

وہ ہادیٔ شاہ راہ توفیق | وہ سُرمہ کش نگاہ توفیق

وہ چارہ گر شکستہ حالاں | وہ بانوئے دلفگار و نالاں

سوچی کہ رہوں خموش گر میں | کھو بیٹھونگی آپ اپنا گھر میں

دونوں بیٹوں کو تب بلایا | شفقت سے ملی، گلے لگایا

اُلفت سے ہر ایک پر نظر کی | کس جوش سے لیں بلائیں سر کی

پھر گرم سخن ہوئی وہ اس طرح | ہے ہے مجھے نیند آئے کس طرح

سُنتی ہوں کہ بھائیوں نے سو | پھیلی ہوئی یہ خبر ہے ہر سو

دُرّانیوں نے کیا تھا جال | نادر نے دبا لیا زر و مال

لوٹیں تمھیں آکے چند وحشی | جہال و جفا پسند وحشی

باایں ہمہ جاہ و لشکر و زر | سر ڈال دیئے ہیں تم نے یکسر

کمبخت نفاق رنگ لایا | آخر کو یہ دن تمہیں دکھایا

اس پر بھی نہ تم کو ہوش آیا | آپس میں لڑے یہ جوش آیا

قسمت کا پلٹ گیا ہے پاسا | ایک ایک کے خون کا ہے پیاسا

اپنی ہی خبر تمہیں نہ گھر کی | لٹتی ہے کمائی عمر بھر کی

کھک کر دیا دونوں نے خزانہ | سب مٹ گیا میرا کارخانہ

اغیار کی قید میں مرو گے | ہوے زر و مال کیا کرو گے

آپس ہی میں لڑ کے زور کھوئے | بیٹو کس طرح ماں نہ روئے

سنتی ہوں پڑی ہے تم پہ مشکل | در پیش ہے آج سخت منزل

مادر نے دیا تھا جو زر و مال ہو سب کو لٹا کے آج کنگال

عزت ہی رہی نہ زر رہا پاس رہ رہ کے یہ آئے ہے وسواس

ایسے جو عدو کرے چڑھائی اس وقت جو آ بنے لڑائی

اس کی بھی تمہیں خبر نہیں ہے خالی ہے خزانہ زر نہیں ہے

تھے چند بچے بچائے زیور پہنے نہ دیا مرے بدن پر

اس فکر میں حال ہے مرا غیر آتی نہیں اب نظر مری خیر

اچھے رہے تم تو دونوں لڑ کر اب آن بنی ہے میرے دم پر

اس گھر کے بگڑ گئے سب آثار اس کوفت سے گھر گئی میں بیمار

جب تم نہ ہوئے مرے ہوا خواہ پھر کون مرا شفیق ہے آہ

عالم ہی نیا ہے اپنے تن پر — اب پڑ گئیں جھریاں بدن پر

کاہیدہ کیا الم نے مجکو — مارا اسی درد و غم نے مجکو

جب نور نظر ہوا اپنا دشمن — آنکھیں مری خاک پھر ہوں روشن

تاریک نگاہ میں جہاں ہے — دن رات لبوں پہ اب فغاں ہے

ماں صدقے، دلوں میں کیا سمائی — کی بھائی نے بھائی سے برائی

ہولوں سے ضعیف و مضمحل ہے — پتھر نہیں ہے تو ماں کا دل ہے

تم دونوں کی خصلتیں الگ ہیں — ہر ایک کی نیتیں الگ ہیں

دونوں کے ملاپ ہوتے کیونکر — شیشہ جو ہے ایک ایک پتھر

دشوار ہے دونوں میں صفائی — بھائی سے ہے بدگمان بھائی

مجھ ماں کا تو کچھ کرو ٹھکانا — پیری کا اب آگیا زمانا

تصویر الم ہوں سے تا پا — کس درپہ میں کاٹونگی بڑھاپا

لیجائیگا کس کے گھر مقدر — گذریگی اخیر عمر کیونکر

تنکا نہیں مجکو اب میسر — بستر نہ رہا مرے بدن پر

آئی ہے غضب کی آ تباہی — دونوں نے خرابی یہ مچاہی

سیکھے کوئی تم سی مکر او رفن — مجھ ماں کے ہوئے ہو دونوں دشمن

جس ماں نے پلا کے دودھ پالا — آغوش میں جسکی پر نکالا

جس ماں نے کئی بھلے برے دن — جو ماں کے ہو اسطرح کی محسن

جس ماں نے کبھی نہ کچھ کیا چین — بیچین رہی تمہیں دیا چین

راحت کسی طرح آئے تم کو — سینے سے رہی لگائے تمکو

رکھا تمہیں ہر گھڑی نظر میں — دی تمکو جگہ دل و جگر میں

اس ماں کا خیال تک نہ آیا — بیٹو! مجھے دل سے یوں بھلایا

پیارو لمبی آس توڑ بیٹھے — بوڑھی ہوئی ماں تو چھوڑ بیٹھے

دم اپنا لبوں پہ آرہا ہے — سمجھے کہ اب اس میں کیا رہا ہے

مانا کہ نہیں مرا ٹھکانا — سچ ہے کہ اخیر ہے زمانا

گر مر گئی غم کی یہ ستائی — تر روؤگے ملکے دونو بھائی

ماں صدقے! ہے ماں کا دم غنیمت — مٹ جائیگی ایک دن یہ صورت

ڈھونڈوگے تو پھر نہ پاؤگے تم — بیکار ہی خاک اڑاؤگے تم

اب بھی تو خبر لو سلطنت کی
صورت نہ مٹاؤ مملکت کی

آپس میں نہ اب ملال رکھو
مجھ ماں کا تو کچھ خیال رکھو

سچ ہے اسیواسطے ہے اولاد
پھولے پھلے ماں کا گھر ہو آباد

یا دل جلی ماں کی آس توڑے
اور گھر کو تباہ کر کے چھوڑے

بدلوگے نہ تم جو اپنے یہ طور
تاجر کئی میرے دوست ہیں اور

بیشک میں انہیں کا دم بھرونگی
اب ملک سپرد انہیں کرونگی

اولاد کسے نہیں ہے پیاری
لیکن نہ سنوگے جب ہماری

گر یہ نہ کروں تو کیا کروں میں
بے موت کے کیا یونہی مروں میں

آنکھیں کہیں اور دل کہیں اور
دیکھو نہیں بھاتے مجکو یہ طور

ہیں کب سے کھپاتے ہو سر اپنا
پایا نہ جواب تک پر اپنا

کیا تھی یہی سلطنت کی حالت
کیا تھی یہی غفلت و جہالت

ہے کام نفاق فتنہ گر کا
گھر کھوج مٹا دیا ہے گھر کا

حیران ہوں کہ تم نے کیا کیا یہ
آپس میں لڑے برا کیا یہ

لڑ کر زر و ملک و مال کھویا
عزت کھوئی کمال کھویا

جانیں بھی عبث گنوائیں افسوس
سب آپ کیا ہمارا کیا دوش

ادبار کے سر لگاؤ گے اب
تقدیر کی پیچ بتاؤ گے اب

ہے بخت خلاف میں نے مانا
اس گھر کا بگڑ گیا زمانا

یہ بات تو جب کہو کہ تدبیر
کرنے کو تو کی پہ ہائے تقدیر

تدبیر نفاق کا نہیں نام ‏ — ‏ تقدیر کو مفت دو نہ الزام

بیٹے نہ ہوئے خبر سر مو ‏ — ‏ غیروں کے مگر بھر آئے آنسو

جب سن چکے سب کلام مادر ‏ — ‏ چپ رہ گئے دونوں طیش کھا کر

خطاب شاعر بہ ساقی میخانہ

ساقی ہے فلک تو انقلاب ‏ — ‏ چکر میں ہے عقل دے شراب

آنکھوں پہ پڑے ہوئے ہیں پردے ‏ — ‏ لا جام کسی طرح تو بھر دے

میخانے پہ آتی ہے خرابی ‏ — ‏ کیونکر نہ سرشک ہوں گلابی

مے دے کہ ہے سخت دلکو جنجال ‏ — ‏ دنیا کا ہو کچھ سے کچھ نہ احوال

اک جام میں مجھکو بے خبر ‏ — ‏ مے ڈھال کے قصہ مختصر کر

بے نور و زلال ہے یہی مے — مشرب میں حلال ہے یہی مے

پھر ہوش نہ آئے اب جو بہکوں — بلبل کی طرح سے خوب چہکوں

دل شیفتہ ہوں ایاغ مے کا — پروانہ ہوں پر چراغ مے کا

ساقی مری عرض سن میں قرباں — دلمیں یہی رہ گیا ہے ارماں

مرنا ہے ضرور اگر مروں میں — اسوقت بھی دم ترا بھروں میں

جس وقت ہو روح تن سے باہر — ٹھہرے در میکدہ پہ جاکر

یہ جسم ہو میکدے کی تب خاک — تا خاک مری ہو طیب و پاک

کچھ کام تو آئے میری مٹی — برباد نہ جائے میری مٹی

ہو پیر مغاں کا بندۂ خاص — اے کاش قبول ہو یہ اخلاص

مرنے کا یہ مرحلہ جو طے ہو
ساقی ہو مغانِ بزم مے ہو

آئے کسی طرح روز موعود
انشاء اللہ صاحب الجود

فرزندوں کی غفلت اور جناب عالیہ یادرہند کی افسوسناک حالت

ہے بسکہ قلم کو جوش حیرت
لکھتا ہے یہ داستان عبرت

وہ پیر و عجوز نیک افعال
خاتونِ عقیلہ کہن سال

بیٹوں کو مخجل ہوئی بلاکر
اُٹھے نہ بیٹے اُسے رُلا کر

اک کھیل نصیحتوں کو جانا
سمجھانے کو ماں کے کچھ نہ مانا

چھاتی جو بھر آئی غل مچاکر
منہ ڈھانک کے خوب روئی مادر

غم میں یوں ہی مبتلا رہا کی
بیٹوں نے مگر نہ اعتنا کی

جو بات کہ تھی خلافِ ماں کے — تھی بلکہ خلافِ اک جہاں کے

خوش تھے اسی بات سے ہمیشہ — دونوں کا ہوا اتفاق پیشہ

نوکر ہوئے مالکوں سے بد ظن — آقا ہوئے خادموں کے دشمن

دو دوست کہ ظاہرا تھے وہ نیک — باطن میں عدو تھا ایک کا ایک

جس شخص میں کچھ بھی تھی لیاقت — اپنی ہی وہ چاہتا تھا رفعت

تقدیر جو اپنی چال چوکی — ہر سو تھی طوائف الملوکی

چوپال میں اپنی ہر زمیندار — کرنے لگا نائبوں سے تکرار

ادنیٰ سا جو گڑھ کا چودھری تھا — مخمور شرابِ خودسری تھا

لٹنے لگے راہ میں مسافر — تھا کوئی نہ ملک میں جابر

کیونکر نہ ہو خدمتوں سے اکراہ
جب فوج کی چڑھ گئی ہو تنخواہ

ہتھیار تھے کام کے نہ وردی
کیا خاک دکھائے فوج مردی

لشکر کی بہیر بے قواعد
اسباب ضرورتوں سے زاید

قانون رہا نہ کوئی آئین
بے قید تھے ہر طرح وہ خود بیں

بندوقوں کو مورچوں نے کھایا
توپوں کو زمیں نے نگلایا

وہ زال جو دیکھتی تھی یہ حال
تھا کوفت سے اسکا غیر احوال

تھی بے خور و خواب روز و شب وہ
رہنے لگی غم سے جاں بلب وہ

بستر سے جو اٹھتی تھی وہ غمکش
آجاتا تھا فرط ضعف سے غش

بے آب تھی بے طعام تھی وہ
گویا کہ برائے نام تھی وہ

تھی کفش نہ پا میں پائتابہ — بے مقنعہ و چادر و عصابہ

ٹوٹا تھا خیال کا جو ساکھا — دبلاپے سے ایک پٹ پاکھا

سوجے ہوئے پاؤں زرد رخسار — جھکتی تھی غنودگی سے ہر بار

بیٹوں کے تباہ ہونیکا ذکر — بہوؤں پہ پوتوں کی ہر گھڑی فکر

اپنی حالت کا ہر گھڑی غم — بربادی مملکت کا ماتم

بیٹوں کا غضب کا یہ تساہل — سستی، نخوت، جفا، تغافل

کتنوں کا وہ خون میں نہانا — ناحق کتنوں کا مارا جانا

بیساختہ سر جھکا کے روتی — کچھ سوچ کے غل مچا کے روتی

اس کا جو ہمیشہ عمل تھا — بیٹوں سے نشاط میں خلل تھا

ہونے لگا جب حرام یوں عیش
آیا بیٹوں کو اور بھی طیش

حسرت کا نہ انکی دھیان لائے
رستہ میں اُٹھا کے پھینک آئے

اس مردہ صفت کو پا کے بیکس
منڈلانے لگے ہوا پہ کرگس

کوّے لگے کائیں کائیں کرنے
اس لاش پہ گدھ لگے اُترنے

کتّے کئی تاک میں کھڑے تھے
دو چار شغال آ پڑے تھے

اک اُن میں تھا بیوفا پر از زرق
ایسے پہ گرے نہ کسطرح برق

جو پالے اسیکو مار چھوڑے
جس ظرف میں کھائے اُسکو توڑے

کب راز سے ہے یہ امر خالی
رکتی نہیں بات ہونیوالی

تاجر کئی اہل علم و باہوش
تھا الفت قوم کا جنہیں جوش

تھے قوم و وطن پہ اپنے عاشق | تقدیر بھی اُنکے تھی موافق

اُلفت میں وطن کی دم گنوائیں | تیور پہ وہ تو بھی بل نہ لائیں

تھے قوم و وطن پہ بسکہ قربان | آئے تھے اُسکے دھن میں وہ یاں

شاید مری قوم بہرہ ور ہو | شاید کہ نصیب مال و زر ہو

اس در سے بھی ہمت انکی عالی | بن جاتے تھے بیکسوں کے والی

تھا ڈاکٹر ایک انمیں خوش ذات | لاکھوں ہی پہ جس نے ماردی لات

قبضہ میں خزانہ آرہا تھا | انعام علاج پا رہا تھا

خود مطلبیوں سے بسکہ تھا عار | لینے سے کیا غرضکہ انکار

قوم اسکی کرے نہ کیوں مباہات | بڑھوا لئے اس کے خیالات

الحق یہ عطیۂ خدا ہے | یہ نفس کشی نہیں تو کیا ہے
القصہ وہ تاجرانِ خوشحال | پڑھتی تھی وظیفہ جنکا وہ زال
تھے دل سے عجوز کے ہوا خواہ | گذرے اسی راستے سے ناگاہ

توارد تاجرونکی جماعت کا آنا اور ماندہ زن کو اپنے خیمہ میں لانا

دیکھا کہ پڑی ہے ایک میت | اعضا ہیں تمام اسکے ساکت
چلتی پائی جو سانس کم کم | سمجھے کہ ابھی کچھ اسمیں ہے دم
چہرے سے چھڑائی جسگھڑی خاک | پہچان گئے وہ اہل ادراک
پایا جو انہوں نے سخت مضطر | رحم آگیا اس کی بے کسی پر
پوچھا کہ پڑی یہ کیا تباہی | برہم ہوئے کیوں آساسِ شاہی

بیٹوں نے تمہارا ساتھ چھوڑا — کیا وجہ ہوئی جو منہ کو موڑا

کیوں خاک میں ملگیا وہ ساماں — کیا ہوگئی اب وہ شوکت و شاں

کچھ یاد ہے اے ضعیف و مضطر — آتے تھے ہم اتفاقیہ گر

بیٹونکو تمہارے ہم سے تھا شک — جانے نہیں دیتے آستانتک

کب بات کی تھی مجال ہم کو — دشوار تھی عرض حال ہم کو

کچھ یاد ہے تم کو وہ زمانہ — تھا ہم کو محال گھر بنانا

تم نے کئی پرگنے دیئے تھے — ہو پرورش اپنی اسلئے تھے

بیٹوں نے مگر نہ دی اجازت — ہم چھین کے لیں نہ تھی یہ طاقت

انساں کا ہے دشمن انساں — ہم رہنے نہ دینگے یوں پریشاں

بیٹے ہیں تمہارے اپنے بھائی
کرلینگے وہاں بھی ہم رسائی

سمجھائینگے پہلے تا بہ مقدور
لڑنے میں بھی ہم نہیں ہیں مجبور

پوچھیں تو ہم ان سے حال کیا ہے
ہو ماں کے عدو خیال کیا ہے

ہر طرح کی جان کو خلش ہے
بیشک یہ مقام سرزنش ہے

بیٹے جنہیں پیٹ سے نکالا
خوں اپنا پلا جن سے پالا

وہ ماں سے اٹھائیں اسطرح ہاتھ
پیری میں تمہارا چھوڑ دیں ساتھ

کیونکر دیکھوں تمہارے نالے
خیر اب بھی کریں مرے حوالے

ہر طرح کی ہم کرینگے خدمت
ہو کاش نصیب یہ سعادت

جو کہتے ہیں اسکو دل سے مانو
فرزند کے مثل ہم کو جانو

ہم ملکے کریں دوا تمہاری
تیار کریں غذا تمہاری

ہے ڈاکٹر ایک ہم میں حاذق
وہ خود بھی علاج کا ہے شائق

اُمید ہے کہ اس کی تدبیر
نافع ہو بہت کچھ آگے تقدیر

کچھ راست تھا کچھ زمانہ سازی
کچھ ناز تھا کچھ تھی بے نیازی

ہوتی تھی جو یہ سخن نوردی
بیٹوں کو خبر کسی نے کر دی

کچھ لوگ کہ صورتاً تھے نیک
لسان بہت تھا ان میں ہر ایک

کھلتی نہیں بات کچھ بیاں سے
سرگوشیاں ہیں تمہاری ماں سے

سُن کر اُسے تلملائے دونوں
جھلا کے قریب آئے دونوں

ہونے لگا جبکہ یہ جھمیلا
لوگوں نے لگایا آکے میلا

دیکھا جو معاونوں نے یہ چال ‏ ‏ سوچے یہ معاملہ ہے جنجال

شیریں سخنی سے دل بڑھایا ‏ ‏ بگڑے ہوؤں کو غرض منایا

کی طفل مزاجوں سے صفائی ‏ ‏ دی بچوں کے ہاتھ میں مٹھائی

چپ ہو گیا جب رحیم ناکام ‏ ‏ ناچار ہوا خموش تب رام

پچتا کے غرض ملے وہ دونوں ‏ ‏ سمجھایا معاونوں نے پھر یوں

ہم بھی تو تمہارے ہیں برادر ‏ ‏ مانو تو ہیں دیو ورنہ پتھر

ہم کو ہے تمہاری ماں سے الفت ‏ ‏ منظور ہے جان و دل سے خدمت

کہتے ہیں ملک و مال لینگے ‏ ‏ یا گھر سے تمہیں نکال دینگے

بیکار بھی کر رہے ہو قصہ ‏ ‏ خدمت میں ہمارا بھی ہے حصہ

کچھ اور نہیں ہے کام ہمکو | منظور ہے انتظام ہمکو
قائم رکھے جناب باری | تم بیٹے ہوئے ہیں ماں تمہاری
بیمار ہیں کیا یہ بات کم ہے | ہمکو تو غنیمت ان کا دم ہے
اچھا نہ ہو جسمیں تمکو زحمت | مل جل کے کریں ہم انکی خدمت
القصہ ہوئے کچھ ایسے اقرار | کی پھر نہ ذرا کسی نے تکرار
تھی رام و رحیم کی جو اولاد | بعض اُن میں تلے تھی بہر امداد
تھے سبکے قوی و نیک انجام | دے لیکے انہیں بھی کر لیا رام

جناب عالیہ مادر گرامی کا اپنے عاقل فرزندوں کو ہنگام رخصت سمجھانا

بولی وہ عجوز نیک افعال | کیا تم سے بتاؤں انکا احوال

مجھ ماں کے یہ دونوں ہی پسر ہیں — دل بند ہیں پارۂ جگر ہیں

تم لوگ تو خود ہو با مروّت — اِن کو بھی رکھو شریکِ خدمت

بے انکے کروگے گر کوئی کام — ہوگا نہ درست اس کا انجام

تم لوگوں کے ڈھنگ اُٹھائینگے یہ — رستے پہ خود آتے جائینگے یہ

بیٹوں کا یہ سُن کے دل بھر آیا — یوں روے کہ ماں کو بھی رُلایا

ہونے لگے جبکہ ماں سے رخصت — آخر ماں تھی جو آئی اُلفت

اک ہوک اُٹھی غضب جگر سے — یوں روئی کہ جیسے ابر برسے

آہستہ کہا کہ "جانِ مادر — تم چھٹتے ہو" کیا کروں مقدر

پہلے نہ سُنا ہمارا کہنا — ہم پر نہیں کچھ تمہارا کہنا

سب آپ کیا ہمارا کیا دوش
بیکار ہے رنج ناحق افسوس

یہ بھائی جو ہیں لئیق بھی ہیں
ذی ہوش بھی ہیں شفیق بھی ہیں

دیتی ہوں اب اختیار ان کو
سمجھایا ہے بار بار ان کو

ہر بات میں یہ کرینگے یاری
تم سب ہو امانتیں ہماری

الفت عجب اک بلا ہے پیارو
ماں ہی کی تو ممتا ہے پیارو

رکھو ہمیں یاد یا بھلاؤ
پوتوں پھلو دودھوں تم نہاؤ

دل کھول کے سن لو میرا کہنا
تم دونوں محبتوں سے رہنا

ماں صدقے! البتہ گئی امیری
آئی ہے تمہارے گھر فقیری

مل جل کے تم اب نباہ دینا
غصہ کو نہ دل میں راہ دینا

رکھنا نہ نفاق یہ رہے یاد
ہو جاؤ گے ورنہ دونوں برباد

میں صدقے گئی "بڑھاؤ ربط"
غیظ آئے تو دونوں کیجیو ضبط

تم خود ہو رحیم صاحب عقل
بچپن کی میں بھولتی نہیں نقل

بچپن کے یہ ڈھنگ تھے تمہارے
ممتاز تھے ہم سنو تمہیں پیارے

اُستاد نے جو سبق دیا تھا
تم نے اُسے یاد کر لیا تھا

پھر یاد کرو تم اس سبق کو
دل سے نہ بھلاؤ امر حق کو

جس گھر میں نفاق کا گذر ہو
ہر بات پہ بے سبب بھی شر ہو

دل میں رہے کب صداقت و حب
بڑھ جاتا ہے خود بخود تعصب

واری کہے اگر کوئی کڑی بات
اسکی نہ ملے اُسے مکافات

اے رام وفا ہے اصل دولت — کرنا نہ رحیم سے عداوت

جس طرح ہو اس سے ربط کرنا — کچھ سخت کہے تو ضبط کرنا

ڈرتی ہوں کہ تم اگر لڑو گے — کمزور ہو دونوں گر پڑو گے

مٹ جاؤ گے رنج اگر بڑھیگا — شر کرنے سے اور شر بڑھیگا

ہے دونوں دلونمیں بغض جبتک — ممکن نہیں میری خیریت تک

تم دونوں کو افسری کی ہے فکر — ایک ایک کو برتری کی ہے فکر

اسوقت اگر میں ڈھیل دیدوں — بہنے لگے ہر طرف شط خوں

جبتک نہ ہو کوئی صلح انداز — تم جنگ سے رکوگے کب باز

جبتک نہ بنے مزاج یکرنگ — ایک ایک سے ہوگا ہر طرح تنگ

جس طرح بنے خودی مٹاؤ ۔ دل سے جن تو کو اب بھلاؤ

میں صدقہ گئی وہ دن گئے اب ۔ آپسمیں لڑائی ہوتی تھی جب

تم دونوں ایک سے نہ ڈرتی ۔ میں بیچ میں آکے صلح کرتی

اور اب تو ہے انکے ہاتھ چارا ۔ گھر جن کو دیا ہے میں نے سارا

اب انکی طرف رجوع کرنا ۔ عاقل ہو تو دم انہی کا بھرنا

ممکن ہے کہ یہ خبر نہ لینگے ۔ جو ان سے طلب کروگے دینگے

دیکھیں گے اگر کوئی ضرورت ۔ خود دینگے تمہیں بقدر حاجت

غصہ کی بھلا ہے اسمیں کیا بات ۔ کرتی نہ یہ میں تو بڑھتے آفات

سچ ہے جو نہ ان سے راہ ہوتی ۔ ہر طرح سے میں تباہ ہوتی

دنیا میں رواج ہے اسیکا / حصہ نہیں ملک میں کسیکا

جو ہوتے ہیں بردبار و غافل / ہوتا ہے انہیں کو ملک حاصل

ہیں سبکے یہ عاقل و دلاور / ملک ان کو دیا ہے کچھ سمجھکر

خود آکے جو کوئی چھین لیتا / اور فرض کرو کہ کچھ نہ دیتا

مرنے کے سوا تھا کون چارا / کس کا ہے زمین پر اجارا

ایسے میں بھی تھی عقلمندی / سوچو تو یہی تھی حق پسندی

تم نے تو مجھے گنوا دیا تھا / مٹی کے تلے دبا دیا تھا

کتے مجھے نوچ ڈالتے گر / تھا دوست کوئی مرا نہ یاور

بالفرض جو ڈھونڈھنے کو آتے / تم خاک بھی پھر مری نہ پاتے

ذی ہوش بہت ہیں یہ معاش
اللہ کرے ہوں مرے ہمیش

پہلے مجھے خاک سے اُٹھایا
چہرے سے غبار کو ہٹایا

ازبسکہ مزاج ہے شناسا
بیمار تھی میں" دیا دلاسا

ہو مجکو نہ ان کی قدر کیونکر
زانو پہ اُٹھا کے رکھ لیا سر

کیا کام کیا مری دعا نے
بھیجا مرے پاس انہیں خدا نے

بیٹو! انہیں اب عزیز جانو
جو کہتی ہوں اسکو دل سے مانو

ہر چند ہے سخت اپنا بھونڈا
پکا نہیں دھوپ میں یہ چونڈا

میں دیکھ چکی ہوں اک زمانا
دیکھو جو مرا کہا نہ مانا

یعنی نہ لے گران کو حامی
سچ کہتی ہوں عقل کی خامی

میں مورد عذاب ہوگی — کچھ اور بھی تب خراب ہوگی

ہے صلح میں منفعت تمہاری — اور میل سے منزلت ہے واری

اس کام کے جب نہیں ہو قابل — لڑنے سے نہ ہوگا ملک حاصل

بگڑا ہوا نظم ہے تمہارا — اب اس کا رہا نہ تم میں یارا

جناب مادر گرامی اپنے فرزند کو عدم اتفاق اور اپنے معاونوں سے اتفاق رکھنے کی تاکید کرتی ہیں

جاتی رہی تم سے قابلیت — جو تم کو دیں وہ ہے غنیمت

دیکھو نہ ہو آتش غضب تیز — انجام ہے اس کا فتنہ انگیز

ہاں حد ادب سے تم نہ بڑھنا — افسر ہو اس کے سر نہ چڑھنا

جن لوگوں کے ہوتے ہو حوالے — یہ بھی مری گود کے ہیں پالے

کرنا نہ کبھی کچھ ان کی تقصیر — راضی رہیں کیجیو وہ تدبیر

تم تخم فساد کے نہ بونا — دیکھو کبھی سخت گو نہ ہونا

یہ عادتیں کب اصیل کی ہیں — یہ سب صفتیں رذیل کی ہیں

ہو جن کا خمیر حیلہ سازی — سر چڑھ کے کریں زباں درازی

لیں ریشہ دوانیوں سے بھی کام — آغاز میں سوچ لیں نہ انجام

کام اپنے تمرد سے ٹھکے چاہیں — طے ہو نہ سکیں چلیں وہ راہیں

جانے کا وہاں ہو عزم بالجزم — رتبہ سے سوا ہو انکے جو بزم

اسلاف میں جنکے ہو فقیری — چاہیں وہ ریاست و امیری

یوں ملک کو وہ خراب کر دیں / سب پہ نازل عذاب کر دیں

چلنا نہ کبھی تم ایسی چالیں / ایسا نہ ہو تم کو وہ ملا لیں

یہ عذر ہے اور حرام ہے عذر / ان باتوں کی چاہیئے تمہیں قدر

ہے اصل تمہاری طیب و پاک / آلودہ کرے نہ تمکو یہ خاک

رہنا ہو حمایتوں میں جنکی / بسنا ہو حفاظتوں میں جنکی

ہونا تم ان کے طالب خیر / ہو جائیگا قہر گر پڑا بیر

آگے کوئی مانے یا نہ مانے / تم جانو تمہارا کام جانے

چالاک تم ایسے ہو کہ احدی / تم کو اپنی سی میں نے کہدی

جب آئے گی تم میں قابلیت / بڑھ جائیگی ہر طرح کی طاقت

پڑھ پڑھکے بنوگے آپ کامل
ہو جاؤگے یک زبان و یکدل

جب بھائیوں میں ملاپ ہوگا
دل صاف تمہارا آپ ہوگا

خود فضل خدا شریک ہوگا
جو کام کروگے ٹھیک ہوگا

جناب عالیہ اپنے معاون تجار کو نصیحت اور اپنے فرزند کو نیکی کے

ساتھ رعایت کرنیکی سفارش کرتی ہیں

اُن لوگوں سے پھر کہا بصد ناز
رکھنا خبر ان کی تم شب و روز

مجبور پہ جبر کب روا ہے
اب تم ہو بس انکے یا خدا ہے

کیوں میں نے بنایا تمکو مختار
سمجھی کہ تم اسکے ہو سزاوار

غفلت نہ کروگے اور نہ سستی
ہے تم میں جفاکشی و چستی

ہے عدل کا نام تول پوری — انصاف و تحمل و صبوری

مجبور کو عاطفت میں لینا — معذور جو ہو تو بخش دینا

رتبہ میں نہ فرق ہو کسی کے — معنی ہیں معادلت اسی کے

ہوں تجربہ کار میری سن لو — جو باتیں ہیں کام کی وہ چن لو

تب کام کا علم ہے تمہارا — سمجھو اسے جو کروں اشارہ

بیٹے مرے گو ہیں بد لیاقت — آجائیگی کبھی تو آدمیت

ان میں سے ہر اک جب بڑھیگا — ہر طرح کا تجربہ بڑھے گا

مجھ ماں کو ضرور سمجھینگے ماں — ہوگا مری خدمتوں کا ارماں

چاہیں اگر اسمیں استعانت — لازم ہے تمہیں بہت رعایت

کیا طول سخن سے مجکو حاصل
ہو چیں وفا وہی ہے عاقل

بیٹو! تمہیں لو خدا کو سونپا
رخصت اب ہو خدا کو سونپا

پیارو! الوجاؤ آ مری جان
اللہ تمہارا ہے نگہبان

ہر طرح کی دیکھ بھال رکھنا
اس ماں کا ذرا خیال رکھنا

مادر گرامی

کاغذ میں جو وسعت رقم ہے
پھر اشہب خامہ تازہ دم ہے

القصہ وہ پیر زن کہن سال
جب دے چکی کشور و زر و مال

کی پھر تو معاونوں نے شفقت
کرنے لگے جان و دل سے خدمت

صحت کے ہوئے نمود آثار
گھٹنے لگا روز روز آزار

کچھ کچھ سرخی سی منہ پہ آئی
آثار شفا دیئے دکھائی

گھر اسکا جو رشک چمن تھا
خود دافع کلفت و محن تھا

پھرنے لگی اس میں خیر سے وہ
بشاش تھی اسکی سیر سے وہ

کی ایسی معاونوں نے تحریک
ہونے لگا انتظام سب ٹھیک

ملتے تھے نہ سو بھی جس زمیں سے
آنے لگے لاکھوں ہی وہیں سے

لڑتے تھے ہمیشہ جو زمیندار
سر ڈال دیا انہوں نے ناچار

اُگتی تھی نہ جس زمین میں کاہ
رتبہ میں وہ ہو گئی فلک جاہ

جس راہ میں کٹ گئے تھے لشکر
چلتا تھا ہر اک اچھالتا زر

وہ صاحب انتظام و تدبیر
وہ صاحب عز و جاہ و توقیر

مشغول تھے بسکہ معدلت میں — رونق تھی نظام سلطنت میں

لیکن یہ فلک جو کینہ ور ہے — حاسد ہے، عدو ہے، فتنہ گر ہے

لایا تو غضب کا رنگ لایا — مے کے عوض لہو پلایا

سچ کہتے ہیں بات یہ نوالی — اک وجہ جو آپڑی نرالی

اس وجہ کو اتفاق کہیے — یا دشمنی و نفاق کہیے

اشرار بنی کئی رعیت — اس زال کی سب نے چاہی ذلت

پھیلائی خبر کچھ ایسی واہی — پیدا ہوئی صورت تباہی

تقدیر جو اس کی آہ بگڑی — لشکر بگڑا سپاہ بگڑی

گھیرا اسے پاجیوں نے آکر — خوش ہونے لگے اسے ستا کر

اس زال کا جب ہوا یہ احوال کیا ملک کا عرض کیجئے حال

نالے وہ رعیتوں کے ہر سو اشرار کی ہر طرف تگ و پو

چھپنا شرفا کا وہ گھرونمیں وہ دخل شرونکا بے شہرونمیں

ہونے لگی زال لاغر و زار گویا کہ پلٹ گیا تھا آزار

موجود نہ ہوتے گر معاون بے شبہ وہ دیکھتی برُے دن

آخر کو بہت حکیم آئے لندن سے دوائیں ساتھ لائے

لارنس کہ تھا طبیب حاذق تھا تجربہ کاریوں میں فائق

اٹرم کی وہ خدمتیں شب و روز ہولاک شفیق حال و دلسوز

وہ تاج شرف دکن کا سلطان لاکھوں ہی تھے جسکے زیر فرماں

اشرار کی تھی نگاہ جس پر — لیکن نہ ہلا جگہ سے خس بھر

جو عہد کیا تھا وہ نباہا — جز مہر و وفا کے کچھ نہ چاہا

اکثر شرفا وہاں تھے حاضر — دل سے نجبا وہاں تھے حاضر

جو جو تھے علاج میں دراندا ز — سر ہو گئے سب وہ فتنہ پرداز

اِن شیروں سے کیا لڑیں وہ روباہ — بھاگے ہر سمت قصہ کوتاہ

تھا سر پہ سوار خون ناحق — دوزخ میں پہنچ گئے معلق

بیحد تھی معاونوں کی ہمت — وہ ضبط وہ صبر وہ شجاعت

مشہور ہے ہفت خوانِ رُستم — اس واقعہ سے مگر ہے وہ کم

غصّہ سے جو شیر ہانپتا تھا — مرّیخ فلک بھی کانپتا تھا

تھا دل میں جو رحم خسروانہ — صد شکر کہ بچ گیا زمانہ

القصہ عجوز کو بچایا — اشرار کو پاس سے ہٹایا

سچ ہے کہ بلا غضب کی ٹالی — اس زال کی آبرو بچالی

پہنچی تھی جو زال کو صعوبت — تھی خوف سے غیر اسکی حالت

کہتی تھی کہ پھر نہ ہووے قہر — اب کے یہ ہوا تو کھاؤنگی زہر

دن رات سرشک خوں بہاتی — تشویش کسیطرح نہ جاتی

تھے خوف سے زرد دونوں رخسار — ڈر تھا کہیں پڑے نہ بیمار

یوں کٹنے لگی جب اسکی اوقات — آتی تھی نہ کچھ سمجھ میں یہ بات

یعنی کہ اب اور کیا غرض ہے — کیوں سست ہے کون سا مرض ہے

تکلیف ہے سخت بعد رحلت — گھبراتی تھی خود بخود طبیعت

الفت تھی زبسکہ آب و گل میں — کہتے تھے یہ لوگ اپنے دلمیں

معلوم نہیں کہ کیا مرض ہے — سالم رہیں یہی غرض ہے

جیتی رہیں مہرباں ہماری — اولاد ہیں ہم یہ ماں ہماری

قائم رہے انکی بادشاہی — بے انکے ہے ملک میں تباہی

ہے طبع کو اک طرح کی حیرت — کس بات کی اب ہے وحشت

آرام سے انکے اپنا آرام — اللہ کرے بخیر انجام

مادر ملکہ پر مراحم خسروانہ اور شاہنشاہی حلقۂ حکومت میں آنا

ہر صفت جو شاہد جہاں ہے — یوں دست قلم گہر فشاں ہے

اتنے میں صدا یہ دی سنائی | پیغام ہوا یہ لے کے آئی

اے جرعہ کشان بادۂ غم | اے سینہ زنان بزم ماتم

اے کوردلان خود فراموش | اے غفلتیان مجلس ہوش

اے پردہ دران دانش و فن | اے بے ہنران ملک دشمن

اے سادہ دلان خستہ احوال | چون خندۂ خواب ہائے اطفال

گم گشتگان گذرگہِ تاسف | ہمتائے برادران یوسف

اے ملتجیان مطلب خاص | اے خدمتیان بزم اخلاص

وہ پیر عجوز خستہ احوال | یوں لٹ گیا جسکا نسب و مال

بیٹوں نے اسے الگ ستایا | پوتوں نے جدا اسے جلایا

آنکھوں سے جھانکی گری تھی
ان خود غرضوں میں گھر گئی تھی

پاس اپنے معاونوں کے آئی
کچھ دن ہوئی کوفت سے رہائی

اشرار نے پھر اسے ستایا
کمبخت کے دل کو پھر دکھایا

گھبرا گئی وہ کہ کیا کروں اب
کس در پہ گروں کہاں مروں اب

خاطر میں ہوس تھی خسروی کی
تھی فکر اسے وارث قوی کی

مقصود تھی بسکہ شوکت و جاہ
اب ڈھونڈتی تھی کوئی شہنشاہ

اس سوچ میں گھٹ گئی تھی طاقت
تھی قابل رحم اسکی حالت

یہ باد صبا کہ با وفا ہے
ہر صاحب درد کی دوا ہے

الودہ صد غبار پہنچی
اڑ کر سر بزم یار پہنچی

اورنگ پہ جلوہ گر تھا وہ شاہ
مشہور ہے جس کی شوکت و جاہ

آئین عدالت اُس کا ایجاد
بیداد کی جس نے کھوئی بنیاد

مظلوم رہے نہ آہ و زاری
معدوم ہوئی ستم شعاری

ہے بحر و بر اس کے زیر فرمان
ہر خشک و تر اسکے زیر فرمان

اقبال غلام پیر اُس کا
قیصر اک وزیر اُسکا

جس مُلک میں اُسکا نام آئے
صولت پئے انتظام آئے

دارا و سکندر و جم و کے
گذرے ہیں شہنشہیں تبے

مشہور زمانہ اور ہیں چند
جیپال قوی تن و جہانند

تیمور و علاؤ الدین و بابر
پیرس کا نپولین بہادر

وہ اکبر ذی جلال و عادل
وہ شاہجہاں سخی و باذل

سب گرد ہیں آج اسکے آگے
دنیا کا نصیب یوں جاگے

ازبسکہ جہاں ہے خوش اقبال
کیونکر نہ ہو اوج جاہ و جلال

رخشاں ہے زبسکہ کوکب تخت
ازبسکہ ہے علم صاحب بخت

سنبھلا ہے فنون کا کارخانہ
پلٹا ہے علوم کا زمانہ

دنیا کو جو تھا بہشت ہونا
آدم کو ملک سرشت ہونا

بھیجا اُسے خلق میں خدا نے
شان اسکی اُسیکے کارخانے

القصہ جو عرض کی صبا نے
کی سعی جو طالع رسا نے

حضرت سے ہوا یہ حکم محکم
اس زال کی ہیں کفیل خود ہم

شاہنشاہی فرمان سنہ ۱۸۵۸ء کی بعض مضامین

دیکھو نہ اسے ملال پہنچے — ہم تک روزانہ حال پہنچے

ہے علم یہاں کا بندۂ خاص — حاضر حضور میں با اخلاص

درکار اسی کی ہو وساطت — موقع سے کریگا یہ حمایت

ناکام خجستہ کام ہوگا — سب طرح کا انتظام ہوگا

ہے بندۂ زرخرید اقبال — ہیں جسکے مطیع کشور و مال

دیتا ہوں اسکو حکم محکم — رکھے خبر اس جگہ کی ہر دم

اس اہل ضعیف کے پھرے دن — یعنی کہ ہوئے ہیں ہم معاون

ہیں اسکے کفیل ما بدولت — مشہور جہان ہے میری صولت

دیگانہ کوئی جو حکم کا ساتھ
دھو رکھے جو جان و مال سے ہاتھ

فیاض بھی ہوں کریم بھی ہوں
موقع کی جگہ رحیم بھی ہوں

بیٹوں کی حمایتیں کرونگا
پوتوں کی رعایتیں کروں گا

نادار کو زر عطا کروں گا
بیمار جو ہو دوا کروں گا

کمزور جو ہو تو زور دونگا
مجبور کا میں کفیل ہونگا

گورا کوئی یا کوئی ہو کالا
خالق سب کا ہے حق تعالیٰ

دونوں مرے سامنے برابر
دونوں کی یہ سلطنت ہے یاور

دونوں مرے در سے ہونگے فائز
فرق ان میں کروں نہیں ہے جائز

زحمت پہ نہیں مدار احسان
پائینگے دلی مراد یکساں

اس حکم کے جو خلاف ہو گا
جرم اُسکا نہ پھر معاف ہو گا

پتھر کی لکیریں ہیں یہ احکام
مٹنے کا نہ لیں گے تا ابد نام

کیا کیا ہیں فضیلتیں بشر کی
کیا کیا ہیں مذلتیں بشر کی

ان باتوں پہ بھی ذرا دھر کان
یوں ہی ہیں اک ایک مشکل آسان

یہ وصف نہوں تو ہے وہ بیکار
علائیہ وقت ہو کہ زردار

نقصان صفات ہے خیانت
جبن و حسد و نفاق و خست

غیظ و غضب و زباں درازی
بے راہ روی و فتنہ سازی

ہاں جسمیں نہ ہوں یہ بدخصائل
ہے بزم شہنشہی کے قابل

دربار میں پائیگا وہ عزت
تب رحم کرینگے ما بدولت

ہے وجہ رسوخ علم بیشک
مداح خدا بھی حلم کا ہے
جو مجھ پہ کریگا نکتہ چینی
کرتا نہیں اپنے خود ادا فرض
خوشحالی زال سے غرض ہی
دیکھو نہ ستائے کوئی اُس کو
عمر اُسکی نشاط میں بسر ہو

درکار ہے اسکو حلم بیشک
جب حلم نہ ہو تو علم کیا ہے
اور اس میں ریا بھی ہو یقینی
کب اُسکی قبول ہو بھلا عرض
کب ثروت و مال سے غرض ہے
غصہ میں نہ کوئی لائے اُس کو
ہنس بول کے شام اور سحر ہو

۱۸۵۸ء کی بعد سے تسلط شاہنشاہی مملکت ہند پر

اٹھی جو سروش کی آواز
لرزاں ہوئے ڈر سے فتنہ پرداز

ہاتف نے امان کی صدا دی
گھر گھر ہوئی چین کی منادی

سن کر یہ خبر جو امن جاگا
چلتا ہوا شر و فساد بھاگا

سب غدر سے بسکہ تھے پریشاں
بیٹوں کے تو آئی جان میں جاں

سمجھے مرا قدرداں اب آیا
خالق نے مرے یہ دن دکھایا

طالع مرے جوہر فن کے جاگے
اب جائینگے جوہری کے آگے

یہ سوچ کے مطمئن ہوئے وہ
آرام سے گھر میں سو گئے وہ

ہے دشمن آزرو کہالت
غفلت کا نتیجہ ہے فلاکت

جو سوئے وہ کھوئے سچ مثل ہے
محروم ہے وہ جو بے عمل ہے

درکار ہے سعی آدمی کو
پھلتے تو نہ دیکھا میں کسی کو

جو نیند میں اپنے دن گنوائے ۔ خمیازۂ خواب وہ اٹھائے

تھا بسکہ رحیم دل کا سادہ ۔ سویا کیا آرام سے زیادہ

باایں ہمہ غفلت و کہالت ۔ کب جاتی تھی اصل سے اصالت

کب جوہر ذات کو ضرر ہے ۔ کوڑے میں بھی جو ہو گہر گہر ہے

آئینہ پہ لاکھ ہو پٹی خاک ۔ آئینہ ہے پھر اگر کریں پاک

پہلے تو بدلے کروٹیں تمام ۔ پھرتی سے اٹھا کہ تھا خوش انجام

بعد اسکے مٹی رحیم کی ہٹ ۔ یہ بھی اٹھا بدل کے کروٹ

رونق کے ہوئے وہ جمع ساماں ۔ بے رونقیاں ہوئیں گریزاں

جب علم و ہنر کے اٹھے بادل ۔ دم بھر میں بھرے تمام جل تھل

قربان صدائے پر اثر کے | دن پھر گئے پھر تو ملک بھر کے

ماہندی کی صورت حال کا بدل جانا

اتنے میں کئی فرشتہ خصلت | ذی شان و شکوہ جاہ و حشمت

صورت سے عیاں تھی بردباری | کاندھوں پہ اٹھائے اک سواری

گذرے اس راستے سے ناگاہ | خوشبو سی مہک گئی وہ سب راہ

تھی اسمیں سوار کوئی محزون | دیتی تھی دعائیں ہر گھڑی یوں

جسطرح بڑھایا میرا منصب | ہو اس سا تو سے ساتھ لاکھ یارب

جیسا مری روح کو دیا چین | ہو اسکو نصیب عیش دارین

جس درجہ بڑھایا میرا پایہ | ہو اس پہ ترے کرم کا سایہ

آوازِ سرش پھر یہ آئی
یہ ہے وہی بخت کی ستائی

بیٹوں نے جسے گنوادیا تھا
نظروں سے جسے گرادیا تھا

جاتی تھی جلو میں یہ سواری
کرتی تھی نسیم مشکباری

جس کوچہ کو دیکھو بوستاں تھا
جس غنچے کو سونگھو عطرداں تھا

مادرِ ہند کا دربارِ شاہنشاہی میں آنا اور اسکی مملکت کا
روز افزوں ترقی پانا

ہے اب جو بہار کا زمانہ
یوں ہے لب جلد پر ترانہ

بدلا ہے جو رنگ آسماں نے
پہنی ہے نئی قبا جہاں نے

پھولوں نے کہن لباس اتارا
باغوں کو بہار نے سنوارا

لائی جو نسیم صبح گہنا | اترا کے عروس گل نے پہنا

سبزہ کا پلٹ گیا زمانہ | بیگانہ تھا اب ہوا یگانہ

ہر چند پہ تھی فصل گل بہت دور | آرائش باغ بھی جو منظور

دیکھا جو ذرا صبا نے مڑ کر | گل آرہے پھر چمن میں اُڑ کر

پھوٹی جو نئے سرے سے کوپل | ہر نخل میں قدرتی لگے پھل

سنبل نے جو گیسوؤں کو دی تاب | چہرہ ہوا یاسمن کا شاداب

کیونکر رہے چشم نرگس احول | آنکھوں میں دیا صبا نے کاجل

پایا زر گل تو بن گیا بن | دریا نے بھرا گہر سے دامن

سمجھے تھے زمین کی جیب خالی | اسنے بھی تو اشرفی نکالی

کیا سرخ ہوا لالہ شفق گون
ڈرتا ہوں ہے نہ چھو کر غش

دی گل کو عجب خبر صبا نے
زر لیکے چلا کھلے خزانے

افزوں ہے بہار کا جو منصب
صد برگ ہزار برگ ہے اب

کرتا ہے فلک جو زر فشانی
سونا نظر آ رہا ہے پانی

جب خاک طلا سا کا رنگ پکڑے
ہر ذرہ خوشی سی کیوں نہ اکڑے

ہے تین برس سی عیش و عشرت
پائی ہے جہان نے جو راحت

رنگت نکل آئی پیا پیا پیسی
حافظ ہے اب جناب باری

ہے قیصر ہند کا ثنا خوان
کیوں ہو نہ قلم کے ہاتھ میدان

کرتا ہوں جو اک گ سے اشارے
بھر تلے یہ تیز دو طرارے

ہے وہم و خیال سے بھی چالاک ایسا نہ ہو پھاند جائے افلاک

ہے اب جو بہار پر زمانہ زر فام قلم کا ہے دہانہ

درپیش ہے راہ دی کمالی کیوں لعل نہ اسکے ہوں ملالی

جو سطر ہے شاخ نارون ہے کاغذ نہیں دامن چمن ہے

آئی ہے وہ کلک میں روانی دیکھے سے ہو جسکے ابر پانی

دریائے کرم نکل رہا ہے اک چشمۂ فیض ابل رہا ہے

مٹھی میں چھپا لیا ہے صحرا کوزے میں کیا ہے بند دریا

جو لفظ ہے اسمیں اک حوالہ جس شعر کو دیکھیے رسالہ

ہر نقطہ میں مطلب اک نہاں ہے ہر نکتہ میں پوری داستاں ہے

ہر حرف کی آب و تاب بہتر — کیسے میں بھرے ہوئے ہیں گوہر

جو بات ہے معجزِ مسیحا — مردے نہ ہوں کسطرح سے زندا

کہتا ہوں حیا تکم باذنی — ہے بانگ صریر قم باذنی

ہر مرکز کاف سرِ مکنوں — ہر دائرہ ہے خمِ فلاطوں

مضموں میں ہے دقّتِ توقف — سمجھے گا وہی کہ جو ہے واقف

کاواک ہوں کسطرح یہ اشعار — جنتر ہے قلم تو لفظ ہیں تار

اُمڈے جو ترقیوں کے بادل — پھوٹی ہے نئی قلم میں کوپل

قرطاس بھی ہو چلا ہے کاہی — شنجرف بنے گی اب سیاہی

جو پھول ہے باغ باغ ہے اک — جو ذرہ ہے اک چراغ ہے اک

زردی کہیں نام کو نہیں ہے | ہر کوشک و در زمردیں ہے

ہر سنگ و خزف ہے رشک بلور | ہر کوہ بلند غیرتِ طور

ہر چوب ہے تختۂ نگاریں | ہر قطعہ نگار خانۂ چیں

مٹی کو طلا پہ اب شرف ہے | جو خشت ہے روکش صدف ہے

بدلا ہے زمیں کا اب وتیرا | آہن بھی تو اب بن گیا ہے ہیرا

نسّاج فلک کی عقل ہے گم | پنبہ سے خجل ہے اب بریشم

کیا فیض شہنشہی ہے ہر سو | جس حسن پہ نظر کرو وہ جادو

کاغذ کا لگا ہوا جو پر ہے | ایک طائر تیز پر خبر ہے

دے ساتھ اگر ہوا خضر کا | مٹی ہو ریاض عمر بھر کا

اس تیغ نے پائی اب وہ طاقت
روکے اسے کیا فلک کی قدرت

خود جہل و نفاق ہیں پشیماں
ہے صلح ہر ایک در کی درباں

سب شاد ہیں متقی ہوں یا رند
جیبوں میں بھری ہے دولت ہند

ہر لب پہ خوشی کا ہے ترانہ
یوں تیس برس کٹا زمانہ

تھے چین سے لوگ حسب معمول
قیصر کی ثنا میں دل سے مشغول

حضور عالی شاہنشاہ کے زیر حکومت ہند کا تیس برس تک رہنا

مدت امن سے بسر کرنا اور جوبلی کا زمانہ

ہاتف نے کیا جو اک اشارہ
ناگاہ سروش یوں پکارا

فراش صبا کدھر ہے آئے
ہاں چاندنی آسماں بچھائے

دربار وسیع دور تک ہو | نمگیرہ اطلس فلک ہو

ہے چاند کدھر کہاں ہیں اختر | لائیں دُر و زر کریں نچھاور

خود آکے بچھائے تخت خورشید | حاضر ہو نقیب بن کے ناہید

توپیں ہیں سلامیوں کو درکار | ہو ابر بہار آکے طیار

دربار کریگا وہ شاہنشاہ | مشہور ہے جسکی دولت و جاہ

کسرے سے سخی عدل میں فیروز ہے | جم سامنے اسکے سرنگوں ہے

مثل اسکا کہیں ہوا نہ اب تک | گر اسمیں کسی کو بھی ہے کچھ شک

جلد تاریخ کی اٹھائے | نام ایک کا بھی مجھے دکھائے

القصہ یہ حکم خاص آیا | حاضر ہو حضور میں رعایا

رحمت کی نگاہ سب پہ ہے آج — ہوئیں غنی کوئی کہ محتاج

کرنی ہو اگر کسی کو فریاد — سب طرح سے آج ہے وہ آزاد

جو چاہے کہے کرے نہ کچھ شک — پہنچیگی وہ عرض اسکی مجھ تک

حضور شاہنشاہ سلامت کی پہلی جوبلی کی خوشی اور شاہی دربار

جس وقت سحر نے یوں پکارا — رونق نے زمین کو سنوارا

روشن ہوئے بام و کوشک و در — خوشبو سے ہوا جہاں معطر

کھولا جو بہار نے خزانہ — ہر سمت تھا شاد زمانہ

اس مژدہ عید کی تھی تاثیر — ایک ایک سے ہوتا تھا بغلگیر

دربار جا رہی تھی خلقت — تھا شور خدایگاں سلامت

دربار کے حالات

دربار کا حال کیا لکھیں ہم
کاغذ ہو فلک تو وہ بھی ہے کم

کیا عرض کریں کہ شان کیا تھی
جز اسکے کہ قدرت خدا تھی

ایک سو وزرا کے جمگھٹے تھے
اک سو امرا کے جمگھٹے تھے

اِک سمت صیفر صف جمائے
اک سو خدام سر جھکائے

آئے پہلے تو اہل مذہب
سب نیک نہاد سب مہذب

رکھے ہوئے وید کوئی سر پر
جاری تھا زباں پہ اسکی ہر ہر

ہاتھوں میں لئے ادب سے مورت
شایستہ خصال نیک صورت

سینے سے لگائے کوئی قرآن
گویا تھا ملک بہ شکل انسان

تقوے کا لباس زیب تن تھا | آئینہ نور حق بدن تھا

رکھے ہوئے فرق پر عمامہ | ہم طرز عرب تمام جامہ

بیبل کوئی ہاتھ میں سنبھالے | گردن میں کیراس کوئی ڈالے

صورت سے عیاں تھی بردباری | لب پر اسکے دعائیں جاری

پازند لیے بغل میں تھا ایک | تھا معدن خلق و خصلت نیک

ہاتھوں میں لیے گرنتھ کوئی | صورت سے عیاں فرشتہ خوئی

کچھ لوگ موید محالات | تھے منکر مذہبی خیالات

ذہنی عملوں کے اک طرف علم | حاضر تھا بصد وقار و صد حلم

سرگرم تھی دل سے محمدیت میں | مشغول نوید تہنیت میں

لب پہ تھیں ہر ایک کے ثنائیں ۔ دیتا تھا ہر ایک یوں دعائیں
جیسا کہ ہمیں کیا ہے آزاد ۔ خالق ترا ملک رکھے آباد
کہتی تھی پکار کر عدالت ۔ افزوں ہو شہا تری جلالت
رہ رہ کے پکارتا تھا اقبال ۔ ہر روز زیادہ ہو یہ اجلال

آمد زن مستمند در دربار حولی میں

کی بخت بلند نے رسائی ۔ اتنے میں وہ پیرزال آئی
پکڑے ہوئے دونوں بچے ہاتھ ۔ پوتے بھی نواسے بھی تھے ساتھ
پیری سے تمام جسم لرزاں ۔ تکنا سوئے تخت گاہ حیراں
ہر گام پہ ضعف سے ٹھہرنا ۔ دربار کے دبدبہ سے ڈرنا

وہ عظمت و فرِّ شان و شوکت
وہ فوج کے افسروں کی حشمت

وہ شوکتِ شانِ چارسو کی
ہر سمت پکار طرقو کی

وہ اطلسِ زرنگار کا فرش
وہ تخت کا اوج صورتِ عرش

وہ چترِ شہی کی جگمگاہٹ
وہ برقِ نگہ کی تلملاہٹ

خدام کی وہ قطار تا دور
اِستادہ ادب کے ساتھ دستور

مجرائیوں کے وہ نام آنا
وہ حضرتِ شہ کا مُسکرانا

القصہ وہ پیرزال آئی
تا تختِ شہی ہوئی رسائی

ایمائے شہنشہی سے دستور
بولا کہ "سن" اے عجوزِ مجبور

کیا عمر ہے تیری اور کیا نام
حضرت سے ہے کونسا تجھے کام

مطلب ہو جو دل میں ترا سو عرض
اظہار امید آج ہے فرض

اب ہے نہ زیادہ خوف کو راہ
ہے تجھ پہ نگاہ حضرت شاہ

جو چاہیگی وہ تجھے ملے گا
تیرا کل آرزو کھلے گا

یہ کون ہیں آئے ہیں جو ہمراہ
کر عرض کہ خود سنے شہنشاہ

مادر ہند عرض حال کرتی ہے

دستور سے سن کے صورت حال
بولی یہ دعائیں دیکے فی الحال

شاہا مرا انڈیا لقب ہے
پایا یہ خطاب میں نے اب ہے

بھارت ماتا در اصل ہے نام
مہمانوں کی خدمت مرا کام

کیا عرض کروں کہ عمر کیا ہے
یوں اپنے بزرگوں سے سنا ہے

قدرت کہ ہماری تھی وہ مادر | انکا کوئی سن میں تھا نہ ہمسر

تھیں عمر میں بڑھ کے آسمان سے | سُنتی ہو اُن ہی تھیں اب جہاں سے

بیٹی ہو نہیں اُن کی سن رسیدہ | آفت زدہ و بلا کشیدہ

جیپال کا پالنا جھلایا | دودھ اپنا اشوک کو پلایا

بیٹوں میں سے تھا اک پتھورا | بھولا نہیں اُسکا دور دورا

تھا بخت جگر مرا مہانند | رکھا میرے دلکو اُس نے خرسند

محمود کے عہد میں جواں تھی | مُنہ بولی شہا میں اُسکی ماں تھی

گودوں میں فرید خاں کو پالا | اکبر کو جواں کر نکالا

جب شاہ جہاں کو میں جنی تھی | چوتھی کی حسین دلہن بنی تھی

ہر چند کہ سن رسیدہ تھی میں — پر سونکی بلا کشیدہ تھی میں

اکثر بیٹے جو تھے مرے نیک — شایستہ بہت تھا انمیں ہر ایک

کرتے تھے دلوںسے میری خدمت — جبتک تھے تو میرے سلامت

وہ سب جو ہوے عدم کو راہی — آئی مری جان پر تباہی

کس کس نے لہو مرا نہ چوسا — کس کس نے مجھے نہ آکے موسا

ہر منہ کا یہ گوشت تھا نوالہ — میں رکھ گئی ہڈیونکی مالا

دو لخت جگر جو اب ہیں قائم — یارب رہیں یہ صحیح وسالم

سب زور گھٹا دیا انہوں نے — گھر کھوج مٹا دیا انہوں نے

گذری مری جسطرح جوانی — ہے طول طویل وہ کہانی

دونوں میں غضب کی تھی لڑائی — اس جنگ نے گھر کی کی صفائی

جب انکو عدوؤں نے گھیرا — ہوتا رہا خون خشک میرا

ابتک اسطرح لڑ رہے ہیں — بگڑے ہوئے تھے بگڑ رہے ہیں

کی میں نے بہت دنوں نصیحت — الٹے مجھے کر دیا فضیحت

ہر طرح سے ہو گئی جو معذور — پاس آئی معاونتوں کے مجبور

کی دلسے انہوں نے میری خدمت — گھر لیگئے مجکو وہ بہ عزت

لی میری خبر انہوں نے ایسی — خدمت کرتے ہیں ماکی جیسی

کہیے وہی جسکی جتنی ہو بات — تھا میرا لحاظ انکو دن رات

کچھ کچھ ہوئی کم مری نقاہت — فی الجملہ ہوئی نصیب صحت

خالق ہے گواہ اسکا شاہا — میں نے نہ برا کسی کا چاہا

بدخواہ بنے کئی نمک خوار — چاہی مری ہتک آخرکار

ازبسکہ قوی تھے یہ معاون — ہر طرح سے کٹ گئے برے دن

سچ کہتی ہوں یہ اگر نہ ہوتے — بیٹے تو مرے خبر نہ ہوتے

معلوم ہی سب کو ہے یہ حکایت — خیر اسکی کہاں تلک شکایت

صدمہ جو غضب کا یہ اٹھایا — پھر ضبط کی تاب دل نہ لایا

وحشت نے نئی طرح ابھارا — بعد اسکے لگا نہ جی ہمارا

ہر چند معاونوں نے چاہا — پر سچ ہے کہ بہت دنوں نباہا

دل میرا کچھ اسطرح سے دہلا — چاہا تو بہت "مگر" نہ بہلا

القصہ جو شاہ کے ہیں خدام | معلوم ہیں مجکو بعض کے نام
وہ نادر شاہ لائے مجکو | اوصاف شہی سنائے مجکو
میں خیر طلب گھڑی گھڑی ہوں | تب سے در شاہ پر پڑی ہوں
ہوئیں تری سلطنت میں شاہا | ہوں سایۂ عاطفت میں شاہا
کرتی ہی دعا خدا سے یہ زال | شاہا ہو زیادہ تیرا اقبال
تو نے مجھے اس طرح نوازا | پھر ہو گئی روح میری تازا
شکوہ ہے نہ کچھ مجھے گلا ہے | حاجت سے زیادہ ہی ملا ہی
ہر موے بدن ہی شکر گویاں | دیتا ہی دعائیں رویاں رویاں
ہر طرح سی دل مرا ہے اب شاد | شاہا ہوئی لٹ کے میں پھر آباد

میں آپ خوشی سے کھو گئی ہوں
یعنی کہ جوان ہو گئی ہوں

جیسا مجھے کر دیا جوان بخت
قائم رہے تاج اور ترا تخت

شاہنشاہی جواب

جنبان ہوئے سنکے یوں لب شاہ
اے پیر عجوز مانگ جو چاہ

بیٹھا جو میں تخت پر بہ اقبال
اب جیسے ہی پچاسوں سال

اس جشن خوشی میں ہے یہ منظور
ہر اک مرے در سے جائے مسرور

جو آئے مراد اپنی پائے
محروم کسی طرح نہ جائے

پھر مادر ہند عرض کرتی ہے

بولی وہ عجوز نیک طینت
شاہا تو ہمیشہ رہ سلامت

مرہون عنایت و عطا ہوں — کیا اپنے لیئے میں اور چاہوں

داعی بقائے خسروی ہوں — پہلے سے میں اب کہیں قوی ہوں

گو دولت و مال و زر تو کم ہے — چنداں نہیں مجکو اسکا غم ہے

صحت کہیں بڑھکے مال سے ہے — تسکیں اسی خیال سے ہے

سمجھی ہوں اسی کو میں غنیمت — صحت ہے شہا ہزار نعمت

خواہش ہے نہ مال کی نہ زر کی — اولاد کی دھن ہے اور گھر کی

یعنی رہے تندرست اولاد — پھولے پھلے گھر مرا ہو آباد

کچھ حد سے شہا گذرتی ہوں میں — اولاد کی سعی کرتی ہوں میں

مانا ابھی علم ان میں کم ہے — مجھ ماں کو بھی اسکا سخت غم ہے

دل کھو لکے پڑھتے جاتے ہیں اب — صد شکر کہ بڑھتے جاتے ہیں اب

ہر طرح سے بردبار بھی ہیں — ذی فہم بھی باوقار بھی ہیں

جو کام سپرد ہو وہ کردیں — سر دینے کا وقت ہو تو سر دیں

کج بحث ہیں اور کینہ ور ہیں — آخر کس ماں کے یہ پسر ہیں

صحبت کا اگر نہ پیچ پڑتا — ان میں سے نہ ایک بھی بگڑتا

تھی ان پہ بلائے آسمانی — کیا عرض کروں ہے اک کہانی

تدبیریں ہر طرح سے ہارے — کھوئے زر و ملک و مال سارے

جس وقت تھی انکے پاس دولت — حاتم سے زیادہ کی سخاوت

آیا جو خرابی کا زمانہ — سنبھلا نہ پھر ان سے کارخانہ

جب بخت رسا نے کی دو رنگی — ہونے لگی خرچ کی بھی تنگی

کیونکر رہے حسن خلق قائم — افلاس ہے مادر جرائم

پشتوں میں جسکی ہوا امارت — اللہ نہ دے اسے فلاکت

بن گئے جنکے در سے زر دار — وہ سبکی نگاہ میں ہوئے خوار

پاتے تھے امیر جسکے گھر سے — روٹی کیلئے وہ آج ترسے

گو پڑ گئی آکے سخت مشکل — لیکن نہ ہوئے کبھی وہ بیدل

اس بات کو دوں کہاں تلک طول — چلتا نہیں اُنسے خرچ اسکول

اس پر بھی عجب ہے دلونمیں ہمت — باایں ہمہ کثرت فلاکت

جسطرح بنے یہ پڑھ رہے ہیں — سیڑھی کے بغیر چڑھ رہے ہیں

کچھ پڑھ بھی چکے ہیں حسب دلخواہ
ہیں طالب خدمت شہنشاہ

کی بھی انہیں پہلے ہی نصیحت
خدمت سے ہر ایک کی ہی عظمت

حکام سے چاہیے تمہیں میل
سمجھو نہ دو رنگیوں کو تم کھیل

تم چاہتے ہو اگر بھلائی
افسر سے نہ کیجیو برائی

اب اسکو سمجھ گئے ہیں خوب
یہ غدر کو جانتے ہیں معیوب

ہے ان پہ شہا مگر یہ افلاس
نذر کیا انہیں کوڑیاں بھی ہیں پاس

ظاہر کی ہے یہ سفید پوشاک
باطن میں نہیں ہے پاس کچھ خاک

طاقت میں بھی مال و زر میں بھی کم
ہیں علم میں کم ہنر میں بھی کم

امید عطائے خسروی ہے
ان آس پہ ان کا دل قوی ہے

ہیں ان میں شہا بہت فضائل ہیں واقعی ان میں کم رذائل
یہ وقت پہ امتحان دینگے یہ حکم پہ اپنی جان دینگے
وعدے ہیں معاونوں کے سب یاد بھولی نہیں انکو میری اولاد
حضرت کے وہ منصفانہ احکام خوش تھے جنہیں سنکے خاص و عام
ضد کرتے ہیں آپ ہی خوشخو دلوا انہیں یاد جا کے خود تو
کرتی ہوں سفارشیں میں سب کی کچھ اسمیں جگہ نہیں عجب کی
سب ہیں مجھے ایک ماں کی اولاد اللہ کرے رہیں یہ آباد
فرزند مرے ہیں قابل رحم ہوں سب کیلئے میں سائل رحم
شاہا! اگر آستاں پہ آئیں منہ مانگی مراد تجھ سے پائیں

دولت کی ترقیاں ہوں ہر دن
اور عمر میں ہو ہمارا ہم سن

چپ ہوئی عرض کرکے وزراں
حضرت نے سنا تمام احوال

شاہنشاہی جواب

ارشاد ہوا کہ اے نکو نام
مستوجب صد ہزار انعام

تو ہی مرے ملک بھر کی ہے جان
دربار کی تجھسے ہے شوکت و شان

تو گلشن دہر میں یگانہ
ہے تیری بہار جاودانہ

چھائی ہے جہاں میں تیری عظمت
سرمایۂ ناز تیری دولت

خوش تجھسے کیوں ہوں نہ بدو مالت
دل کھولکے تونے کی اطاعت

مجھسے نہ کیا کوئی بہانہ
جو حکم دیا وہ دل سے مانا

بیٹوں میں ترے ہی گو شرافت | صورت سے ٹپکتی ہے نجابت

دونوں میں مگر دلی نہیں میل | سمجھے ہیں وہ اس نفاق کو کھیل

اس ڈھنگ نے گو یہ دن دکھایا | ہوش آج تلک مگر نہ آیا

خود مطلبیوں پہ مر رہا ہے | ایک ایک سے رشک کر رہا ہے

بے میل طبیعتیں ہیں سب کی | آپس کی یہ پھوٹ ہے غضب کی

ابتک وہی بدگمانیاں ہیں | ابتک وہی لن ترانیاں ہیں

جب علم و عمل میں ہونگے کامل | تب ہوگا نفاق دل سے زائل

پھر کوئی کرے گر ان کی تحقیر | تہذیب خود اسکو دیگی تعذیر

گر اپنے حقوق کی طلب ہے | انکار کسی کو اس سے کب ہے

کچھ اور دنوں ابھی سبق لیں
تب مانگ کے مجھسے اپنا حق لیں

بیشک ہے دل آب آب تیرا
بیجا نہیں اضطراب تیرا

مضطر کا علاج ہے مگر صبر
کر اور پچاس سال تک جبر

پوتا مرا ہوگا زینت تخت
چمکیگا ترا ستارۂ بخت

سو راج عطا کریگا وہ شاہ
بڑھجائیگی تری شوکت و جاہ

بیٹے ترے حکمراں بنیں گے
سردار جہانیاں بنیں گے

برائیگی سب طرح کی اُمید
ہوگا ترے واسطے وہ دن عید

خاتمۂ مثنوی بر دعائے دولتِ شاہنشاہی

صد شکر کہ یہ نوید نامہ
یا کہیے اسے امید نامہ

آج اسکا ہوا بخیر انجام
خامہ نے مرے کیا عجب کام

از بسکہ وسیع ہے یہ میداں
گم ہوتی ہے اسمیں عقل انساں

مہمیز جو کی ہے میں نے پیہم
خامہ کا بھی پھولنے لگا دم

سرپٹ قلم اسطرح سے جائے
اس پر بھی سکندری نہ کھائے

شاہا! نہ شغف کروں میں کیونکر
مَیں فیضیِ وقت، تو ہے اکبر

باقی نہیں قدر اب جو فن کی
مٹی برباد ہے سخن کی

بوئے ہوئے تخم سڑ رہے ہیں
پانی نہیں کھیت اجڑ رہے ہیں

سرسبز نہال جل رہے ہیں
دہقان کھڑے ہاتھ مل رہے ہیں

ابر کرم و عطائے قیصر
ہو قطرہ فشاں گر اس زمیں پر

تر کر دے زمیں جو از سرِ نو
پیدا ہو ابھی امیر خسرو

آئندہ ترقیاں ہوں ہر دن
ہو خضر سے بھی سوا ترا سن

جاہ و حشم و خدم فزوں باد
آمین و دعائے خامۂ شاد

مصنف کی عرض ہم فنوں سے

اب عرض مری ہے شاعروں سے
والا نظروں سے ماہروں سے

جو نبض شناس علم و فن ہیں
جو واقف کوچۂ سخن ہیں

اے خدمتیانِ بزمِ اشعار
اے جوہریانِ سرِ بازار

اے رتبہ شناس ذی کمالاں
مرہم نہ ریش خستہ حالاں

یہ فن شریف شاعری نام
ہوتا ہے بخیر جس کا انجام

جاتا رہا رکھ رکھاؤ اس کا
دنیا سے ہے چل چلاؤ اسکا

سالم ہے خم نہ جام باقی
میخانہ تہی خموش ساقی

چھائی ہوئی حسرتیں ہیں ہر سو
میکش ہیں تمام سر بزانو

دل سب کے وفور غم سے نالاں
بزم اسکی ہے بزم خستہ حالاں

معدوم اب اسکے ہیں خریدار
اردو کا اجڑ رہا ہے بازار

ہیں مشتریوں کے بام و در بند
توقیر کلام ہے نظر بند

بے سود صدا لگا رہے ہیں
بے وقت کا راگ گا رہے ہیں

سنتا نہیں کوئی جو اپنی فریاد | برسوں کی ریاضتیں ہیں برباد

دھن میں تری اے کمال ہم نے | کاٹے ہیں ساٹھ سال ہم نے

گو پیر ہوا پہ مونہہ نہ موڑا | تجکو نوجواں بنا کے چھوڑا

اس شہر میں رہ کے کی ریاضت | معدوم تھے جہاں اہل ہمت

میں نخل کمال تھا وطن میں | سرسبز ہوا نہ اس چمن میں

غم نے مرا برگ و بار چاٹا | اٹھتی ہوئی کو پلوں کو کاٹا

خیر اب یہ شکایتیں کہانتک | پُر درد حکایتیں کہانتک

دنیا کا بس اب تو دم بھرو شاد | پیری ہے خدا خدا کرو شاد

تمام شد

قطعات تاریخ طبع مثنوی مادر ہند از شاعر باکمال و عالیخیال یادگار حضرت علامہ شاد

جناب سید عنایت حسین صاحب امداد عظیم آبادی

کیا بیحجاب نکلی دیکھو وہ مادر ہند
نظارہ کا تھا جسکے آنکھوں کو اپنی ارماں

یہ بن سنور رہی تھی اور ہم تھے اسکے جویا
کیسی ہے حسن پیکر۔ مانند ماہ تاباں

کیسا سجایا اسکو اس شاد ذی ہنر نے
شانہ کش تخیل ہے فکر عرش ساماں

ہے تازہ گل تراشی۔ طرفہ ہیں نوک پلکیں
سمجھیں نہ کیوں سخنور ہے تازہ اک خیاباں

جوہر کشائے الفت۔ راز وفا کا نسخہ
تعلیم ملک رانی۔ اخلاق کا دبستاں

کیا کیا ہیں استعارے کیسے حسین کنائے
جوہر شناس نظریں ہوتی ہیں جنپہ قرباں

لہجے میں وہ فصاحت جھڑتے ہیں جس سے موتی
پر فن نگاہیں کیونکر بھر لیں نہ اپنے داماں

رنگینئ مضامیں پسند اہل دلکشی کا
کب دیکھتی ہے مڑ کر بلبل سوئے گلستاں

گنجینۂ معانی ہے حرف حرف اسکا
بیتیں ہیں مثنوی کی موتی کی ہیں لڑیاں

شاہوں کے کام کی ہے ناصح عوام کی ہے
یہ نقش وہ ہے جس سے سرکش ہوں زیر فرماں

مضموں کے پھول یونہی آغوش میں ہیں اسکی
گلزار میں ہو گلچیں جسطرح گل بداماں

آئینۂ مجلّا ہے شان مثنوی کی
طغرائے باکمالی کیونکر نہو نمایاں

حافظ ظہیر احمد جن کا ہے نام نامی
مجروح ہے تخلص ذی علم اور سخنداں

علم و ہنر کے شیدا رتبہ شناس فن ہیں
ہے شوق چھاپنے کا تصنیف باکمالاں

سرمایۂ زندگی کا اہل قلم کی ہیں یہ
یعنی مصنفوں کو دیتے ہیں آب حیواں

یہ مثنوی چھپی ہے سرگرمیوں سے انکی
کرتے ہیں صرف زر بھی محنت بھی بیکراں

یہ خلعتِ طباعت کیسا ہے اسکا زیبا — پھر ہوں نگاہ والے کیونکر نہ اسکے خواہاں

ظاہر میں حسنِ صورت در پردہ معنویت — شاہد ہیں خود مضامیں کیا خوبیاں ہیں پنہاں

نقش و نگارِ گل کو کب ہے نصیب نزہت — دیکھو جو اسکا منظر کھلجائیں دل کی کلیاں

مقبولِ اہلِ فن ہو مجروح کی یہ محنت — اور ہو مفید یارب کوشش فراواں

وہ مہرباں ہمارے سید ظہور احمد — نورِ نظر ہیں جنکے مجروح پاکداماں

ہے شکریہ ضروری ان قدردانِ فن کا — امید ہے کہ ان سے ہو روح شاد شاداں

جاں کاہیوں نے انکی ساماں کئے فراہم — دلچسپیوں سے انکی مشکل ہوئی یہ آساں

امداد کو ہوئی جب فکرِ سنِ طباعت — آئی ندائے ہاتف یہ لکھدی نظم شایاں

۱۳۵۲ھ

قطعہ فارسی

زہے مصنفِ عالی نظر خوشا تصنیف
کہ ماند نقش بقایش بمنزلِ ایجاد

بہ طبع آمدہ آں مثنویِ مادرِ ہند
کہ ایں ہم است ز رشحاتِ خامۂ اُستاد

مسلّم ایں کہ بفن بود ذاتش علّامہ
اساسِ شعر و سخن را وجودِ اُو بنیاد

کنم ز خامہ چہ ابیاتِ مثنوی را وصف
کہ شاہد اند کمالاتِ او بصد اسناد

بہ سینہ داشت بسے زخمہائے نا قدری
بہ قلبِ سعی زِ نہاں بود و بر لبش فریاد

زمانہ مردہ پرست است ایں سخن حق است
کہ کرد بعد فنایش ادائے رسمِ وداد

بہ جستجوئے سنِ عیسوی چو فکرم بود
سخن ز فیضِ اتم مصرعہ بہ طبعم داد

بگفت بے سرِ اغراق ایں سخن آزاد
نوید ہند ز تصنیف خاں بہادر شاد

۱۹۳۳ء

قطعات تاریخی ہجری و عیسوی طبع مثنوی مادر ہند جناب شاد خاں بہار مرحوم عظیم آبادی

از افصح الفصحا جناب شفق رضوی عماد پوری مقیم الہ آباد

ممتاز بہار تھا انھیں کے دم سے — شاعر تھے جو شاد خاں بہار مشہور

عالی ہمت ظہیر احمد مجروح — فرزند ظہور احمد اہل شعور

تصنیفیں اُن کی چھاپکر بعد وفات — شائع فرما رہے ہیں حتی المقدور

چھاپی ہے یہ مثنوی عجب نورانی — بیتیں جسکی ہیں صاف بیت المعمور

تاریخ کی مجھ سے بھی ہوئی فرمائش — مجبور نہ رہ سکا میں گو تھا معذور

ہاتھ آیا حسین مصرعِ سال شفق

ہے مادر ہند مثنوی چہرۂ حور

۱۳۵۲ھ

دیگر عیسوی

شائع ہوتی ہے مثنوی مادرِ ہند
لکھدو سن عیسوی کا مصرع یہ شفیق

محبوب ہو ملک و وطن کو مرغوب
دلکش رنگیں ہے مثنوی دیکھا خوب
۱۹۳۳ء

قطعۂ تاریخ طبع مادرِ ہند مصنفہ حضرت شاد مرحوم عظیم آبادی نور اللہ مرقدہٗ

از بلبل بہار سرینکاری گیاوی

یہ مثنوی خجستہ مفہوم
بے مثل و جواب و بے بدل ہے
انداز سخن ہے کیا انوکھا

تصنیف جناب شاد مرحوم
مدت کی ریاضتوں کا پھل ہے
اردو میں ہے اک نیا اضافا

جو لفظ ہے تیر دل نشیں ہے
آغوش کماں سے کم نہیں ہے

ڈوبی ہوئی ہے اثر میں تحریر
ہر سطر ہے بے نیام شمشیر

تھے شاعر باکمال مشہور
مرقد پہ ہو اُن کے بارش نور

راسخ سے سخنوری میں کامل
سرتاج حزیں و فخر بیدل

کی قدر نہ زندگی میں اصلا
اب قبر کو کھودتی ہے دُنیا

ہیں مستحق سپاس بیحد
منشی حافظ ظہیر احمد

ہیں نکتہ شناس و ماہر فن
دنیا میں ہو انکا نام روشن

تاریخ یہ لکھ سریر ناشاد
آئینۂ خوش بیانی شاد
۱۳۵۱ھ

قطعۂ تاریخ طبع مثنوی مادرِ ہند از سخنور شیریں مقال شاعر نازک خیال
یادگار حضرت داغ دہلوی جناب ڈاکٹر سید مبارک حسین صاحب مبارک عظیم آبادی

شاد کی مثنوی وہ مادرِ ہند | مثنویوں میں شہرۂ آفاق
ہے طباعت میں ایک پیکر | اور مضموں میں پیکر اخلاق
مہر مادر کی بولتی تصویر | کہہ رہے ہیں یہ مادری اشفاق
نسخۂ اتفاق و یک جہتی | عملِ دافعِ بلائے نفاق
عبرت آموز موعظت ایک ایک | حکمت آموز سر بسر اسباق
شاہوں کو اک وزیر خوش تدبیر | ملک کے واسطے وفا و وفاق

منظر چشم اہل بینش ہے — ہر ہنر دوست آنکھ ہے مشتاق

حافظ و مولوی ظہیر احمد — سرو خوبی گلشن اخلاق

ساکن بلدۂ عظیم آباد — چھو گھڑا جائے شہرۂ آفاق

وہ تخلص سخن میں ہے مجروح — وہ کہ دلکش ہے شاعری کا مذاق

انکی سعی بلیغ سے یہ چھپی — ہیں کتابوں کی طبع میں جو طاق

کار آمد کتاب نامطبوع — اسکو چھپوائیں اسکے ہیں مشتاق

ہیں یہ رحمت مصنفوں کیلئے — زندہ رکھ ان کو خالق آفاق

یہ مبارک نے عیسوی تاریخ
طبع کی لکھی اختر اخلاق
۱۹۳۲ء

قطعہ تاریخ طبع مثنوی مادر ہند

از حضرت علامہ فضل حق آزاد عظیم آبادی

خان بہادر علی محمد شاد — آنکہ مثلش نزاد مادر ہند

مثنوی رقم نمود بہ سعی — نام او را نہاد مادر ہند

اجل او را نداد دست طبع — بد گر دوست داد مادر ہند

زیور طبع یافتہ از ظہیر — پردہ از رخ کشاد مادر ہند

سال طبعش بحسب فرمایش — تا نیفتد ز یاد مادر ہند

گفت آزاد۔ تا بقائے فلق — شاد و آباد باد مادر ہند

۷۲۴ — ۶۳۰

تاریخ طبع مثنوی مادر ہند

از حضرت پرویز شاہدی ایم۔ اے عظیم آبادی

حبذا رنگ گلشن ایجاد
مرحبا اے بہار بے بنیاد

اے خوشا اختلاط آب و ہوا
اے نئے ہے امتزاج خاک و باد

حسن شاہد ہے تیرا جلوۂ رخ
طبع معشوق ہے تری افتاد

تیرا جلوہ اساس ذوق نظر
تیرے پردوں پہ شوق کی بنیاد

ہاں مگر اس بہار پرست بھول
انقلاب خزاں کو بھی رکھ یاد

خود ستائی ہر کوشش ناکام
خود نمائی ہر کاوش برباد

تیرا وہ باغبان ہی نہ رہا
جس سے تھا باغ رنگ و بو آباد

شاعر نغز گوے و خوش گفتار
خاں بہادر علی محمد شاد

فخرِ افزائے سر زمینِ بہار | نازپرور دۂ عظیم آباد
معدنِ علم و مخزنِ تہذیب | خسروِ فکر و بے نظیر اُستاد
جس کی ہر نظم حاملِ ایماں | جس کی ہر نثر قاطعِ الحاد
وادریغا قضا نے چھین لیا | ہم سے سرمایۂ متاعِ مراد
چل بسا اس جہانِ فانی سے | شاعرِ باکمال ہند نژاد
کیوں نہ ہر لحظہ کیجئے نالے | دمبدم کیوں نہ کیجئے فریاد
اشک افشاں نہو قلم کیونکر | ہوگیا گلشنِ ادب برباد
خیر چارہ نہیں مشیت میں | کارنامہ اب ان کا رکھئے یاد
مثنوی سلیس مادرِ ہند | شاہکار جناب حضرت شاد
دلکشا دلپذیر دل آرام | رہنمائے نظر، کلید مراد

قوم کو اتحاد کی تعلیم
چشم ملت کو ارمغان سواد

خنجر تشنہ کام خون حسد
قاطع گردن نفاق و عناد

ملک کے اوج ماضی کا رونا
سلطنت سے حقوق کی فریاد

کیجئے کسقدر زباں سے بیاں
خوبی زاید ہے از حد تعداد

الغرض یہ کتاب نقش کمال
مایۂ نازِ مانی و بہزاد

آج سعی ظہیر احمد سے
چھپکے ہے فخر عالم ایجاد

ہے ادب دوست، علم جو کتنا
یہ جوان سلیم و نیک نہاد

بار آور ہوئی ہے سعی لطیف
مرحبا آفریں مبارک باد

فکر تاریخ تا کجا پرویز
لکھدے فوراً ہے اک ریاض شاد

۱۳۵۲ھ

قطعۂ تاریخ طباعت مثنوی مادرِ ہند

از

حضرتِ حمید عظیم آبادی

مثنوی لکھی جناب شاد نے — تھے جو مہرِ آسمانِ شاعری

کیونہ اس کی ہر سطر ہو کہکشاں — کیونہ پھیلے چار جانب روشنی

اس کا ہر ہر لفظ ہے ماہِ تمام — سارے عالم میں ہے چھٹکی چاندنی

کیونہ نقطہ نقطہ چمکے مہر وار — کیونہ کوکب پر کرے چشمک زنی

اس کا ہر مرکز ہلالِ عید ہے — کیونہ چھپنے کی ہو اس کے اب خوشی

کیا ہی روشن مصرعِ تاریخ ہے — رونقِ چشمِ کواکب مثنوی

۱۳۵۴ ہجری

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔